لہ دعوۃ الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

جلد نمبر : ۴
شمارہ نمبر : ۱۰

ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ
جولائی ۱۹۶۹ء

اس شمارے میں

بدل اشتراک

مغربی پاکستان سالانہ چھ روپے ، فی پرچہ ۶۰ پیسے
مشرقی پاکستان سالانہ بذریعہ ہوائی ڈاک آٹھ روپے ، فی پرچہ ۷۵ پیسے
غیر ممالک سالانہ ایک پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ طابع و ناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

چاند کی تسخیر

سائنس کی دنیا میں پچھلے چند سالوں سے خلائی فتوحات کا غلغلہ ہے، امریکی خلائی جہاز اپالو دہم کے حالیہ تجربہ اور ۲۰ر جولائی کو چاند پر انسان اتارنے کے پروگرام سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہماری اس وسیع کائنات کا حسین ترین سیارہ چاند انسانی قدموں کے زیر ہوا چاہتا ہے، مذہب اور سائنس کے دائرہ کار اور حدود سے لاعلمی طبعیاتی علوم میں ناپختگی اور مذہب سے دوری یا کم علمی کی وجہ سے ان خلائی کارناموں نے بہت سے مسلمانوں کو احساسِ کمتری، مرعوبیت اور شکوک و شبہات میں ڈال دیا ہے، آج کی فرصت میں اسلامی نقطۂ نظر سے اس مسئلہ پر کچھ اصولی روشنی ڈالی جاتی ہے ــــ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ یہ پورا کارخانۂ عالم اپنی تخلیق و بقاء اور اپنا تسلسل قائم رکھنے میں کسی بے جان مادہ، انرجی، نامعلوم الیکٹرون یا سلسلۂ علت و معلول کا منت پذیر نہیں، بلکہ یہ نہایت منظم اور پُرحکمت کائنات ایک حی و قیوم اور حکیم و علیم صانع کی کرشمہ سازی ہے، انسانی فطرت کی اس بارہ میں جو تجسس اور بے چینی ہے، اس بے چینی کا یہی ایک سیدھا سادا اور قابلِ تسلیم جواب ہے۔ اس ازلی اور ابدی حقیقت کو چھوڑ کر عقلاء اور فلاسفۂ قدیم یا عصر حاضر کے ماہرین طبعیات اور سائنسدانوں نے جو بھی راستہ اختیار کیا وہ ایک ایسی سرحد پر ختم ہوکر رہا جہاں انہیں حیرت و اضطراب فکری انتشار، تضاد بیانی اور بالآخر عجز و درماندگی کے اعتراف کے سوا اور کچھ نہ مل سکا ــــ پھر یہ کائنات صرف وہی کچھ نہیں جواب تک ہمارے علم و ادراک اور مشاہدات کی گرفت میں آچکا ہے۔ بلکہ خداوند قدوس کی خدائی کی کوئی انتہا ہی نہیں۔ موجودہ سائنس کو اپنی تحقیق اور تجربات کی رو سے اعتراف ہے کہ علویات اور سفلیات کا جتنا حصہ ہمارے علم و مشاہدہ میں آچکا ہے، وہ اس لامحدود کائنات کا کروڑواں حصہ بھی نہیں جواب تک ہماری نگاہ درماندہ سے مستور ہے۔ مذہب اسلام نے اپنے آخری

رسولؐ کی زبانی کائنات کی ان لامحدود وسعتوں کا اعلان کیا تو بندگان عقل اور غلامان مشاہدہ کو تردد رہا مگر آج کے سائنسدانوں نے خالق کائنات کی تخلیقی عظمتوں پر اپنے اس قسم کے اعترافات سے منکر سے منکر انسان کا بھی سر تسلیم خم کرا دیا۔ اور مذہب کی تائید و تصدیق کا یہی وہ کام ہے جو خداوند کریم آج سائنس سے لے رہا ہے۔ اس کائنات کی وسعتوں کا کیا حال ہے ۔۔؟ اس کے جواب میں بطور مثال ہم صرف چند چیزیں پیش کرتے ہیں، کائنات کی وسعت کے بارہ میں یہ بھی صرف چند قیاسی اور ظنی تخمینے ہیں ورنہ حقیقت اس سے بھی بڑھ کر ہے ۔۔۔۔ صرف ستاروں کو لیجئے جو اس وسیع کائنات کا صرف ایک جزء اور ایک حصہ ہے۔ ورلڈ اٹیلس کی تحقیق کے مطابق اگر رات کو مطلع صاف ہو تو ۵ ہزار تارے نظر آتے ہیں، ہلکی دوربین سے کئی ہزار قوی دوربینوں سے کروڑوں اور امریکہ کے بڑے رصدگاہ ماؤنٹ پالومر سے اربوں نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر ٹنڈل نے جغرافیہ عالم میں خوردبینوں سے نظر آنے والے ان تاروں کی تعداد سات ارب بتلائی ہے، مگر بعض علماء فلکیات کا خیال ہے کہ ان ستاروں کی تعداد دنیا بھر کے سمندروں کے کنارے ریت کے ذرات سے بھی بڑھ کر ہے، پھر ان میں سے بعض تارے حجم میں اتنے بڑے ہیں کہ بعض میں لاکھوں اور بعض میں اربوں زمینیں سما سکتی ہیں، پھر ان ستاروں کے درمیانی مسافت اور کرۂ ارض سے فاصلہ کا کیا عالم ہے، اہل سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ چاند ہماری زمین سے اڑھائی لاکھ میل سورج ساڑھے نو کروڑ اور زہرہ ساڑھے تیرہ کروڑ میل دور ہے، ان سیاروں میں بعید ترین سیارہ پلوٹو ہے جو ساڑھے سات ارب میل کے دائرہ میں چکر لگا رہا ہے، پھر یہ کائنات ستاروں کی لاتعداد کہکشاؤں کی صورت میں حرکت کر رہی ہے اور ہمارے شمسی نظام کا قریب ترین کہکشاں اپنے محور پہ گردش کرتے ہوئے ایک دور بیس کروڑ سال میں پورا کرتی ہے پوری کائنات کی پیمائش کے لئے بعض سائنسدانوں کے خیال میں ۴۸ ارب سال اور بعض کی رائے میں ایک ارب سال کا عرصہ درکار ہے۔ جبکہ اس عرصہ میں ہماری تحقیق و انکشاف کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ رہے، اس پر بس نہیں بلکہ ہر لمحہ اس کائنات میں چاروں طرف اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس پھیلنے کی رفتار آئن سٹائن کے خیال میں اتنی تیز ہے کہ ہر ۱۳۰ کروڑ سال بعد کائنات کی مقدار دگنی ہو جاتی ہے، اور یہ جو روشنی ستاروں سے چھوٹ کر ہماری نگاہوں کو خیرہ کرتی رہتی ہے وہ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے آرہی ہے مگر بہت سے ستارے ایسے ہیں جن کی روشنی اس تیزی

اور وسعت کے باوجود ابتدائے آفرینش سے لیکر اب تک ہماری زمین تک پہنچ بھی نہیں سکی۔ یہی وہ چیز ہے۔ جو اس کائنات کی وسعت کی صحیح تعبیر اسکی بے حساب حکمتوں اور اس کے صحیح اندازہ کے بارہ میں انسان کو مجبور و بے بس بنا کر اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور کر دیتی ہے جسے خداوند کائنات نے ان الفاظ میں تعبیر فرمایا :

ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلامٌ — اگر زمین کے تمام درخت قلم ہوں اور موجودہ سمندر دوں

والبحر یمدہٗ من بعدہ سبعۃ ابحر — کے ساتھ سات اور ایسے سمندر بھی سیاہی بن جائیں

ما نفدت کلمات اللّٰہ ۔ .... — جب بھی خدا کی تخلیق کارفرمائیوں اور حکمتوں کی باتیں ختم نہ ہو سکیں گی ۔

اور یہی وہ صداقت ہے جسے قرآن نے وما یعلم جنود ربک الا ھو (اور نہیں جانتا تیرے رب کے لشکروں کو مگر وہی) اور وما اوتیتم من العلم الا قلیلا ۔ (اور نہیں دیا گیا تمہیں مگر تھوڑا سا علم) سے اشارہ فرمایا ہے۔

یہ حالت تو صرف اس عالم کی ہے جسے ہم مادیات اور عناصر و محسوسات کی دنیا سے تعبیر کر سکتے ہیں یہاں ایک اور عالم بھی ہے جو نگاہوں کی دسترس سے بالا اور عقل و خرد کی ترکتازیوں سے وراء الوراء ہے جسے "عالم غیب" سے موسوم کرتے ہیں اور جس کے لئے یہ ساری ظاہری کائنات ایک وسیلہ اور خادم ہے اسکی وسعتوں اور گہرائیوں کے سامنے تو یہ پوری مادی کائنات بھی ایک ذرۂ بے مقدار کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس کے حصول اور جسکی تعمیر و آرائش کے لئے انبیاء کرام آتے رہے اور اُن ابدی حقیقتوں کی تلقین کرتے رہے جن پر ہماری دائمی کامیابی اور حیات جاودانی کا دارومدار ہے۔

دوسری اہم بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اس پورے عالم آب و گل کو اس کے خالق نے بے مقصد اور سعی لاحاصل قرار نہیں دیا بلکہ زمین میں اپنے خلیفہ "حضرت انسان" کو اوّل روز سے علمی قوتوں سے مالامال کیا۔ (وعلّم آدم الاسماء کلّھا ۔) اور بار بار اس کائنات میں غور و فکر اور تدبّر کرنے اس کی حکمتوں کو سمجھنے، اس کے لامحدود خزانوں سے فائدہ اٹھا کر اسنے عالم آخرت کیلئے زیادہ سے زیادہ کارآمد بنانے کی مسلسل دعوت دیتا چلا آرہا ہے اور بار بار اعلان کرتا ہے کہ عرش سے

لیکر فرش تک سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا گیا کہ تم اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ اور اس کے ذرہ ذرہ کو خالقِ کائنات کی پہچان اور اسکی عظمتوں کے اعتراف کا ذریعہ بنا دو، اس کے چپہ چپہ میں تمہارے لئے عبرت و نصیحت کے دفتر پنہاں ہیں اس کا ذرہ ذرہ تمہارے لئے راحت اور سامان تعیش کا ایک گنج گرانمایہ اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ یہ شمس و قمر یہ بحر و بر سب کچھ تمہارے لئے ہے اور یہ اس رب کریم کی نہایت کرم نوازی ہے کہ تمہارے اوپر ظاہری و باطنی نعمتوں کی اتنی بارش برساتا ہے۔ جسے تم قیامت تک حساب بھی نہ کر سکو۔ یہی نہیں بلکہ خلق و تخلیق اور ایجاد کے اس عمل میں ہر لحظہ ترقی تسلسل اور اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے ۔ ویخلق مالا تعلمون ۔ اور یہ سب کچھ اس لئے کہ تم اس کی دی ہوئی نعمتوں سے خوب خوب فائدہ اٹھا کر اسکی عظمتوں میں ڈوب جاؤ، سراپا عبدیت اور بندگی بن جاؤ اور تمہارا رُواں رُواں اس کائنات میں تمہارے اشرف المخلوقات ہونے کی ایک واضح نشانی بن جائے۔

ثم تذکروا نعمۃ ربکم اذا استویتم علیہ	پھر جب اس پر تمہارا تسلط ہو جائے تو اپنے رب کا
وتقولوا سبحان الذی سخر لنا ھذا	احسان یاد کرو اور کہدو کہ پاک ذات ہے وہ جس
وما کنا لہ مقرنین وانا الی ربنا	نے اسکو ہمارے بس میں کر دیا۔ بیشک ہمیں اپنے
لمنقلبون ۔	رب کیطرف لوٹ کر جانا ہے۔

اسی مقصد کے لئے قرآن کریم مادیات کی تسخیر کے ساتھ ساتھ کہیں لعلکم تشکرون (تاکہ تم شکر کرو) کا اور کہیں لتکبروا اللہ علی ما ھداکم (تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ان چیزوں کی ہدایت دی) جیسے کلمات ذکر کرتا ہے۔

اس وسیع کائنات کا صرف انسان کے لئے بنایا جانا اور اس میں تسخیر اور غلبہ کی لامحدود قوتیں ودیعت فرمانا اور اول تا آخر غور و تدبر کی دعوت دینا خود بخود اس حقیقت کی غمازی کر رہا ہے کہ موجودہ سائنس کا مقصد اگر عناصر اربعہ کے باہمی تحلیل و ترکیب اور عناصر علوی و سفلی کے باہمی ربط و تعلق سے پردہ ہٹا کر انسان کیلئے اس سے استفادہ کرنے کی نئی نئی راہیں نکالنا ہے ۔ تو ایک سچے اور صحیح مذہب کے کسی گوشہ اور پہلو پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ مذہب کا براہ راست تعلق ایک دوسرے عالم سے ہے جو اس کائنات کے آغاز و انجام کی گتھیاں سلجھاتا اور ہدایت و صلاح کے طریقے سمجھاتا ہے اور اس پوری کائنات کا مقصد تخلیق بتلاتا ہے ۔ مذہب کی حدود فرمانروائی وہاں سے شروع ہوتی ہیں جہاں

سائنس اور فلسفہ کی مملکت ختم اور اسکی قوت پرواز جواب دیدیتی ہے، دوسرے الفاظ میں سائنس اور طبعیات کا تعلق صرف عالم آب و گل اور کثیف عناصر سے ہے، خواہ اس کا ظہور کرۂ ارضی کی شکل میں ہو یا چاند اور سورج کی شکل میں، مگر مذہب کا دائرہ کار اور تعلق روحانیات اور الٰہیات ہیں وہ ہمیں انسان کے گھر سے مسائل فطری حقائق نوامیس خداوندی آخرت حساب وکتاب اور قانون مکافات عمل زندگی کے انجام اور توحید ورسالت جیسے لطیف اور باقی وپائدار امور سے واقف کراتا ہے۔ اوّل الذکر کے اصول ومبادی ہر وقت تغیر پذیر ہیں اس کی تحقیق وانکشاف پر مبنی نتائج میں ہر لحظہ ترمیم وتبدیلی ہو سکتی ہے۔ جبکہ مذہب کے اصول ومبادی اٹل اس کی سچائیاں ابدی اور اس کے علوم ونظریات کی صداقت لافانی اور ہر زمانہ اور ہر دور کیلئے ایک چیلنج ہوتی ہے۔ ایک کا سرچشمہ خدائے حی وقیوم کی دی ہوئی روشنی وحی اور نبوت ہے دوسرے کا مبلغ علم، عقل خام اور فہم ناقص۔ ع فاین الثریا واین الثری۔ پس زمین پر چلنے والے چوپایوں کا ہوا میں اڑنے والے پرندوں سے اور کسی ریل گاڑی کا سمندری جہاز سے تصادم اتنا تعجب خیز نہیں ہوسکتی کہ یہ رائے قائم کرلینا کہ مذہب اور سائنس میں تصادم ہو سکتا ہے۔ اگر سائنس کی کوئی بات مشاہدہ صحیح اور عقل سلیم پر مبنی ہے تو ناممکن ہے کہ مذہب کے کسی اصول سے اس کا ٹکراؤ ہو اگر ایسی صورتحال کہیں پیدا ہو جائے تو وہ درحقیقت عقل کی ٹھوکر کا نتیجہ ہوگا۔ حقائق اشیاء کے ادراک میں ہمارے علم وفہم سے لغزش ہوئی ہوگی یا پھر ایک ایسی بات کا رشتہ ہم نے مذہب سے ملا دیا ہوگا جو نہ تو کسی صحیح سند اور مضبوط استدلال اور نقل صحیح پر مبنی ہوگا، اور نہ اس کا رشتہ درحقیقت مذہب کی اوّلین تعلیمات سے ملا ہوگا ——

اور یہ اس لئے کہ جسطرح ایک سچا مشاہدہ اور علمی دریافت قابل تسلیم ہے تو کسی قطعی اور متواتر دلیل پر مبنی مذہب کا کوئی اصول اس سے ہزار درجہ ناقابل تردید اور واجب التسلیم ہے، دونوں میں تصادم ناممکن ہے دونوں کا دائرہ کار الگ الگ اور دونوں کی حدود اختیار جدا جدا ہیں ——

تیسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ انبیاء کرامؑ کی بعثت اور آسمانی تعلیمات وحی ورسالت کا اوّلین مقصد صرف اور صرف انسانیت کی ہدایت اور راہنمائی ہوتی ہے۔ نبی کی تعلیمات کا محور سچائی کی تلقین بھلائی کی ہدایت خلق کا خالق سے رشتہ ملانا، خدا کی دی ہوئی زندگی اور اس کائنات کا صحیح مصرف اور محل میں استعمال کرانا اور اس زندگی کو حیات جاودانی کا ذریعہ بنانا ہوتا ہے، وہ اگر آیات آفاقی وانفسی سے بحث کرتا ہے تو صرف اس لئے کہ اسے ذات وحدہٗ لاشریک کی پہچان کا ذریعہ بنایا جائے وہ عالم آخرت اور حیات بعد الموت کا ذکر چھیڑتا ہے تو سائنسی استدلال

اور منطقی مقدمات سے اسے ثابت نہیں کرتا بلکہ روزمرہ مشاہدہ میں آنے والے تکوینی امور و حقائق کی طرف توجہ دلا کر پوچھنا چاہتا ہے کہ اگر یہ سب کچھ ممکن ہے تو مرنے کے بعد دوسری زندگی اور نبوت کی دیگر تعلیمات ماننے میں کیا استبعاد ہے۔؟ یا پھر صرف اس حد تک انہیں بیان کرتا ہے۔ کہ کسی شرعی مسئلہ اور بندگی کے کسی طور طریقہ اور اس کے وقت اور مقدار سے اس کا تعلق ہو۔ اصلاً یہ تعلیمات تعلیمات ہدایت ہوتی ہیں، حقائق اشیاء اور عناصر کی کنہ و ماہیت سے بحث کرنا اس کا موضوع نہیں ہوتا، چاند کے بارہ میں بار بار پوچھا گیا تو صرف یہی کہا گیا کہ قل ھی مواقیت للناس والحج۔ کہ یہ توجج اور دیگر امور کے اوقات کی نشاندہی کرتا ہے۔ آگے اسکی ماہیت اور حقیقت زمین سے اسکی مسافت اور اس کے قابلِ تسخیر ہونے یا نہ ہونے سے سکوت کیا گیا کہ وہ تو ہدایت کی کتاب تھی، کیمیا نجوم، رمل اور ریاضی کی نہیں۔ الغرض جن مسائل کا تعلق عالمِ غیب سے نہ تھا انہیں انسانی علم و فہم پر چھوڑ دیا گیا کہ یہ چیز بھی خدا کی دی ہوئی تھی، اور یہ اس لئے کہ نہ تو ایسے مسائل پر مذہب کا اثبات موقوف تھا اور نہ مذہب ان مسائل سے انکار پر مجبور کرتا تھا۔ پس اگر آج کوئی شخص علماءِ طبعیات کے کسی کارنامہ سے مرعوب ہو کر دین سے انکار یا اس کا استخفاف کرتا ہے۔ تو وہ اتنا ہی قابلِ مذمت ہے جتنا کہ وہ شخص جو ہر نئی دریافت اور مادی انکشاف کو اسلام سے متصادم سمجھ کر اس کے ماننے سے انکار کر بیٹھے دونوں راہیں غلط اور عقلی بے مائیگی کی علامت ہیں۔

اس تفصیل کی روشنی میں چاند اور ستاروں کی تسخیر کا مسئلہ لیجئے ــــ بلاشبہ قرآن و حدیث نے اس کے وقوع پذیر ہونے کی صاف صریح اور محکم الفاظ میں نشاندہی نہیں کی کہ نہ تو یہ چیز اس کے موضوع میں داخل تھی اور نہ چودہ سو سال بعد تحقیق اور مشاہدہ پر مبنی کسی دریافت کی تمام تفصیلات اُس وقت کے اذہان کے لئے قابلِ فہم تھیں[1] ــــ مگر کیا اسلام نے ان فتوحات کے متحقق اور وقوع ہونے کی نفی بھی کی ہے۔؟ اسلامی تعلیمات اور کتاب و سنت کی تصریحات میں ہمیں کوئی بھی ایسی چیز نہیں مل سکتی جن سے ان چیزوں کی نفی ہوتی ہو یا اب تک کسی ثابت شدہ تحقیق سے اسکی

---

[1] یہاں واضح اور غیر مبہم اخبار و اطلاع کی نفی ہے ورنہ علاماتِ ساعۃ کے ضمن میں ایسی بہت سی چیزیں ہیں جنہیں تاویل کے درجہ میں عصری ایجادات کے لئے پیشگوئی قرار دیا جا سکتا ہے مگر اس کی تعبیر میں اُس وقت کی مخاطب دنیا کا لحاظ رکھا گیا۔ اور ہر دور کے اجالے کی طرح ایک ایک کر کے دنیا کے سامنے اس صادق و مصدوق ﷺ کی صداقت کی گواہی دے رہی ہیں۔　　سمیع

تغلیط ہوتی ہو چاند اور سورج یا دیگر سیاروں کا کسی خاص آسمان کیطرف نسبت یا آسمانوں میں اس کا جڑنا اور اس قسم کے کئی امور کے بارہ میں جو متضاد آراء اور مختلف نظریات مشہور ہیں وہ سب کے سب فلسفۂ یونان رومی علم الافلاک یا بطلیموسی علم ہیئت یا پھر اسرائیلی روایات بلکہ خود اب تک کے سائنسدانوں کے متضاد اقوال پر مبنی ہیں۔ صدیوں تک ان افکار و نظریات کا غلغلہ رہا اور مسلمانوں کے دو ایک مفسرین نے بھی اس سے متاثر ہو کر ان کا رشتہ تاویل کے طور پر کسی آیت سے جوڑ دیا، تفسیر محکم کے طور پر ہرگز نہیں پھر اگر ان تفاسیر میں اگر بطلیموس اور فیثا غورث کی تحقیقات پر مبنی اقوال مل سکتے ہیں تو دوسری طرف عبداللہؓ بن عباس جیسے حبر الامت صحابی اور عطاء بن ابی رباح جیسے ثقہ تابعی کے اقوال و روایات بھی موجود ہیں جن سے عصر حاضر کی موجودہ تحقیقات کی تائید ہو رہی ہے۔ ان حضرات کی روایات میں تصریح پائی جاتی ہے کہ نظامِ فلکی کے تمام سیارے شمس و قمر زہرہ اور عطارد سمیت آسمانوں کے نیچے لٹکے ہوئے فانوسوں کی مانند ہیں، یہاں تک کہ جن چیزوں کی تعبیر موجودہ اصطلاح میں مرکز ثقل، کشش اور مدار میں گردش وغیرہ سے کی جاتی ہے۔ ان روایات میں انہیں نور کی زنجیروں، ڈھکی ہوئی موج، جذب اور مدار وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے جو لوگ چاند اور ستاروں کو اسرائیلی روایات یا اپنی تاویلات کے بل بوتے پر آسمانوں کے اوپر یا انکے بیچ میں انگوٹھی میں ہیرے اور تختی میں میخ کی مانند جڑا ہوا ثابت کرنا چاہتا ہے۔ محقق علماء اور مفسرین نے ان کی تردید کی ہے، اور ان تاویلات کو بے دلیل اور ناقابل اعتماد قرار دیا ہے۔ لا یعول علیھا۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو روح المعانی (ج ۱۷ - ۱۸ - ۳۰) اور دیگر تفاسیر ـــــ قرآن کریم کی ظاہری عبارت اور سیاق و سباق بھی اسی کی تائید کرتی ہے اور وہ آسمان کو ایک محفوظ چھت قرار دیکر اس چھت کو ستاروں سے روشن کرنے کا احسان جتلاتا ہے ـــــ رہا آسمانوں کا وجود تو بیشک قرآن و سنت بار بار اسے ایک حقیقت ثابتہ کے طور پر ذکر کرتا ہے۔ ان کا وجود ان کا تعدد ان کا ذی جرم ہونا ان میں دروازوں اور گذرگاہوں کا پایا جانا اور مختلف منازل اور برجوں پر ان کا تقسیم ہونا یہ سب کچھ صاف اور صریح الفاظ میں موجود ہے۔ مگر کائنات کی ان لامحدود وسعتوں کے ہوتے ہوئے (جنہیں اجمالاً اشارہ کیا جا چکا ہے۔) کائنات کی ایک حقیر مقدار اور معمولی ذرہ کے برابر چاند اور سورج کی صورت میں کسی سیارہ تک رسائی ہو جانے سے یہ دعویٰ کرنا کہ آسمانوں کا وجود ہی نہیں علم و فہم اور عقل و خرد کی تضحیک اور رسوائی نہیں تو اور کیا ہے، کنویں کے مینڈک کی مثال شاید ایسے لوگوں سے بڑھ کر کسی اور پہ کبھی صادق نہ آئی ہو۔ حال ہی میں ایک تازہ بیان کسی سائنسدان کا نظر

سے گذرا تھا کہ دور دراز سیاروں سے آگے ایک لامحدود خلا ہے جس کے پاٹنے کا کوئی امکان نہیں۔ الغرض ایک چاند تو کیا تمام سیارے بھی ہماری کمند میں آجائیں تو کسی اسلامی تحقیق اور آسمانوں کے وجود کے بارہ میں اسلام کے کسی دعوی پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ کائنات کی ان لامحدود وسعتوں میں غیر اقوام کی ترکتازیوں کو دیکھ کر یورپ کی ذہنی غلامی میں مبتلا بہت سے لوگ اس میدان میں مسلمانوں کی پسماندگی کا الزام بیچارے اسلام کے سر پر تھوپنا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ خود اس طبقہ کی ذہنی پستی اور فکری غلامی کا نتیجہ ہے جسے وہ بڑی عیاری اور چالاکی سے اب اس اسلام کے سر مونڈھنا چاہتے ہیں جس کے ساتھ وہ اپنا ذہنی و فکری اور عملی رشتہ صدیاں ہوئیں کاٹ چکا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسلام نے سائنسی اور مادی ترقی اور تسخیری کوششوں سے ہمیں کب روکا تھا؟ اسلام کی ترجمانی کرنے والے علماء راسخین نے کب آپ کا ہاتھ روکا ہے؟ اسلام تو ان بے مایہ ادیان اور مذاہب عیسائیت اور پاپائیت جیسا نہ تھا کہ ان میں عصری تقاضوں اور سائنسی انقلاب کا سامنا کرنے کی تاب نہ تھی، اور یورپی اقوام کو سائنسی انقلاب کیلئے اپنے مذاہب کے ہاتھوں آگ اور خون کے طوفانوں سے گذرنا پڑا۔ بلکہ وہ تو ہر دور کے چیلنج کا مجسمہ جواب رہا اور قیامت تک رہے گا۔ پھر کیا ایک بھی مثال اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ سے پیش کی جا سکتی ہے کہ اس نے علم و تحقیق ایجاد و اختراع اور مادی ترقی کو پابجولاں کر دیا ہو۔ یہ سیاہ تصویر اگر ہے تو یورپ کے کلیسائی نظام کی ہے اسلام کی نہیں۔ پس طبیعیاتی علوم میں مسلمانوں کا تخلف اگر ہے تو اسکی ذمہ دار یورپ کی وہ اندھی تقلید ہے جو ہماری نظر انتخاب صرف وہاں کی فحاشی، عیاشی اور دیگر خرابیوں پر ہی ڈالتی ہے مگر علم و تحقیق اور سائنس کے میدان میں ہاتھ پاؤں توڑ کر اور کاسہ گدائی لیکر ہم صرف ان نوالوں کے چبانے اور اگلنے پر اکتفا کرتے ہیں جنہیں آقایان مغرب اگل کر ہمارے سامنے پھینک دیتے ہیں، اگر مذہب واقعی ہمیں ان ترقیات سے روکتا ہے تو جن لوگوں نے صدیوں سے حاملین مذہب کو از کار رفتہ قرار دیکر مذہب کا جوا اپنے گلے سے اتار پھینکا ہے اور دو ڈھائی سو سال سے اپنی ساری فکری اور علمی قوتیں مغربی نظام تعلیم میں کھپا رہے ہیں۔ انہوں نے سائنس کے میدان میں کونسا تیر مارا ہے۔ اس میدان میں ان کی رسائی زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ مغرب کے بنائے ہوئے اوزار اور ایجادات کا کچھ استعمال سیکھ سکیں۔ تو درحقیقت ہماری پسماندگی کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم نے یورپ کے خراد پر اپنا مذہب، اپنا ورثہ، اپنی فکری قوتیں بھی چڑھا دیں اور اس کے بدلے میں سرسیدؒ ایک ناقص اور جامد نظام تعلیم قبول کر لیا جس کے نتیجہ میں ہمیں سوائے ادنیٰ اور اعلیٰ درجہ کے کلرکوں، سٹرلین اور اسکی تہذیب و معاشرت میں نقالی کرنے والے بہروپیوں کے اور کچھ نہ ملا۔ اس نظام تعلیم سے

ہمیں ذہنی آوارگی یورپ کی مرعوبیت، مذہب سے گریز کی دولت تو مل گئی، مگر ایجاد و اختراع اور تحقیق و دریافت کی کنجیاں انہوں نے اپنے پاس ہی رکھیں۔

آخر میں اگر اعلیٰ انسانی اقدار کی روشنی میں امریکہ اور روس کے اس مقابلہ اور مسلسل جدوجہد کے محرکات و اسباب کا جائزہ لیں تو ہمیں اور بھی مایوسی ہو گی، ان تسخیری قوتوں سے انسان کی کونسی مشکلات ختم ہو جائیں گی اس کا فیصلہ تو مستقبل کرے گا، مگر اس سلسلہ میں اب تک جتنی ایجادات ہمارے سامنے آچکی ہیں ان اقوام کی انسان دشمنی، حیوانیت اور درندگی کی وجہ سے ان میں سے اکثر انسان کی فلاح و بہبود کی بجائے اسکی ہلاکت اور بربادی کا ذریعہ بنی ہیں۔ عالمی لڑائیوں کی مثال ہمارے سامنے ہے تسخیر قمر کی اس جدوجہد کی پشت پر بھی یقیناً یہی حیوانی جذبات کار فرما ہیں۔ یہ لوگ ایک ایک تجربہ پر کئی کئی کھرب روپے پھونک رہے ہیں، مگر روئے زمین پر بسنے والے کروڑوں بھوکے ننگے سردی اور دھوپ میں جھلسنے والے اور جنگ کی بھٹیوں میں جلنے والے انسانوں کے امن و سکون اور بنیادی ضروریات فراہم کرنے کیلئے سائنس کے پاس وہ کونسا نسخہ کیمیا ہے جسے اب ستاروں اور آسمانوں پر آزمایا جارہا ہے پھر اس دوڑ دھوپ کا مقصد ایک دوسرے پر بالادستی اور برتری ہے تو اس وسیع اور لامحدود کائنات آوزیت کے ذرات کے برابر ستاروں کے ہوتے ہوتے یہ مقابلہ اور ریس آخر کہاں جاکر ختم ہوگا؟ کوئی مانے یا نہ مانے مگر انسانیت کی فلاح کامیابی اور امن و سکون کا حل صرف مذہب کے پاس تھا اور یورپ نے بڑی عیاری سے اس کا رخ ایک نہ ختم ہونے والی مادی عیاشی کی طرف موڑ دیا ہے تاکہ جلد از جلد یہ عالم اپنے انجام تک پہنچ جائے ۔۔ گویا خدا کی دی ہوئی شہادت اب پوری ہوا ہی چاہتی ہے کہ اقتربت الساعۃ وانشق القمر ۔۔ اور قریب ہے کہ وقت موعود کسی بھی وقت انسانوں کے اوپر پھٹ پڑے ۔۔ لا یجلیہا لوقتہا الا ھو ثقلت فی السموات والارض لا تاتیکم الا بغتۃ ۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

سمیع الحق

یکم جولائی ۱۹۶۹ء

دعوات عبدیت حق

ضبط و ترتیب : ادارہ الحق

ارشادات شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ

اسلامی نظام معیشت کا ایک پہلو یہ بھی ہے

اکل حرام کا وبال

روحانی طہارت کے ساتھ جسمانی صفائی کی ضرورت

خطبۂ جمعۃ المبارک ، صفر ۱۳۸۹ھ

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لایربو لحم نبت من سحت الا کانت النار اولیٰ بہ ۔ (او کما قال علیہ السلام)

یہ ایک حدیث کا ٹکڑا ہے جو آپ کے سامنے پڑھا گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، جسم انسانی میں جو گوشت بھی حرام چیز کھانے سے پیدا ہو وہ آگ میں جلنے کے لائق ہے۔ جو شخص حرام کمائی کھاتا ہے اس غذا سے خون اور خون سے گوشت بن جاتا ہے، تو وہ شخص اس حرام گوشت کے ساتھ جنت نہیں جا سکے گا، جبتک یہ گوشت جہنم میں جل نہ جائے، گویا بدن کی مثال کپڑے کی طرح ہے کہ اگر گندہ اور پلید ہو جائے، میلا کچیلا ہو اس پر نجاست لگی ہو تو جب تک اسے اچھی طرح صاف نہ کیا جائے ہم کسی بادشاہ کسی سرکاری تقریب یا کسی اونچی شخصیت سے ان کپڑوں میں ملاقات نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ جب احکم الحاکمین ملک الملک کے دربار میں مسلمانوں کی حاضری نماز کی شکل میں ہوتی ہے تو حکم دیا گیا ہے کہ سارا بدن اور کپڑے نجاسات سے پاک و صاف ہوں، اس لئے غسل اور وضو کیا جاتا ہے۔ اور وضو سے جسطرح ظاہری جسم صاف ہوتا ہے، اسی طرح معنوی نجاسات گناہ صغیرہ بھی اس سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ مضمضہ کرنے سے منہ کے گناہ اور استنشاق کرنے سے ناک کے گناہ، چہرہ دھونے سے آنکھوں کے گناہ دھل جاتے ہیں، اور ہاتھ پاؤں دھونے سے ان اعضاء کے گناہ گر جاتے ہیں۔ تو جو شخص اچھی طرح اور ثواب کی نیت سے وضو کرنے سے پہلے بسم اللہ کہہ دے اور وضو کی مسنون دعائیں پڑھے

نے تو حدیث میں آتا ہے کہ اس وضو کی برکت سے اللہ تعالیٰ گناہوں سے اسے صاف ستھرا کر دیتا ہے، اسی طرح کپڑوں کا حکم ہے کہ نماز کی حالت میں پاک صاف ہوں وثیابک فطہر (اور کپڑوں کو پاک صاف رکھو)

امام شافعیؒ کا مسلک تو یہ ہے کہ سوئی کے سرے کے برابر نجاست بھی کپڑے پر نہ ہونی چاہیئے ہمارے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قدرے تخفیف ہے کہ درہم کی مقدار سے کم ہو تو معاف ہے، پھر بھی کپڑے کا پاک ہونا لازمی ہے۔

پھر یہ معاملہ دنیادی شان و شوکت رکھنے والوں سے ملاقات اور صرف نماز کی حالت پر موقوف نہیں، بلکہ جب قیامت کے دن اللہ کے سامنے ہماری حقیقی حاضری ہوگی اور اللہ کی رحمتوں کا جو مورد ہے یعنی جنت، اس میں بھی پلید جسم کے ساتھ ہماری حاضری نہیں ہو سکے گی۔ قبر عالم آخرت کا پہلا دروازہ ہے اور جب قبر میں انسان داخل ہوتا ہے تو وہاں پہلی تفتیش اور تحقیق وضوء اور طہارت کے بارہ میں ہوگی گویا قبر میں پہلا سوال وضوء کے بارہ میں ہوگا اور اگر اس کا جسم دنیا میں بول و براز سے آلودہ رہا ہوگا تو اس جسمانی نجاست سے قبر میں معذب ہوگا، اور ظاہر ہے کہ بے نماز شخص کو بول و براز اور گائے بیل کے پیشاب سے بچنے کی کیا پرواہ ہوتی ہے تو اس کا وبال قبر ہی سے بھگتنے لگے گا، احادیث میں آتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں حضور اقدس کا گذر دو تازہ اور نئی قبروں کے قریب سے ہوا یہ صحابہؓ کی قبور تھیں کہ حضورؐ کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور مدینہ منورہ میں سکونت رکھتے تھے، مگر حضور اقدسؐ نے قبروں کو دیکھ کر فرمایا: انھما لیعذبان وما یعذبان فی کبیر۔ (دونوں عذاب میں مبتلا ہیں ایک ایسی چیز کی وجہ سے جسے یہ کوئی بڑی چیز نہیں سمجھتے تھے۔) اس لئے کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے — ایک تو فساد کی نیت سے چغلی کیا کرتا تھا، ایک مجلس کی بات دوسری مجلس تک پہنچا دی، دو مسلمانوں کے درمیان صلح کی بات کرنے کی بجائے فساد میں ساعی رہتا تھا۔ دوسرا شخص پیشاب کے چھینٹوں سے اپنے آپ کو نہیں بچاتا تھا: اس لئے اب دونوں عذاب میں مبتلا ہیں۔ پھر حضورؐ تو رحمۃ للعٰلمین ہیں، رحمت کا مجسمہ ہیں وہ راستہ پہ چلتے کسی کو تکلیف میں دیکھتے تو کب برداشت ہو سکتا کہ اسی طرح گذر جائیں تو یہاں بھی رک گئے، کھجور کی ایک ٹہنی لی اس کے دو ٹکڑے کر کے ہر ایک قبر پہ ایک ایک ٹہنی گاڑ دی اور فرمایا کہ شاید جب تک یہ ٹہنی تازہ اور ہری ہو اس وقت تک اللہ تعالیٰ ان سے عذاب اٹھا دے رحمۃ للعٰلمین یہ برداشت نہ کر سکے کہ انہیں تکلیف میں دیکھ کر رفع تکلیف کی شفاعت نہ فرما دیں۔ پھر اعلان فرمایا: استنزھوا

من البول فان عامة عذاب القبر منہ ... الحدیث ... (اپنے اور اپنے حیوانات کے پیشاب سے اپنے کو بچا کے رکھو کیونکہ عموماً عذاب قبر اسی وجہ سے ہوتا ہے۔)

الغرض قبر اور برزخ جو قیامت کی پہلی سیڑھی ہے یہاں سے صفائی کا لحاظ شروع ہو جاتا ہے تو جب ظاہری نجاست سے بچنے کی اتنی احتیاط ہے جو ناپائیدار اور آسانی سے زائل ہونے والی چیز ہے۔ تو باطنی نجاسات گناہ اور معصیت اور حرام کمائی سے اگنے والا گوشت حرام کمائی سے نشوونما پانے والا جسم اسکی وجہ سے کتنا شدید عذاب میں ہوگا۔ اس لئے حدیث میں فرمایا کہ گوشت کا جو ٹکڑا نجس ہے۔ لوگوں کے حقوق پائمال کر کے غصب اور چوری کر کے حرام مال سے پیدا ہوا ہے اسے آگ پر داغا جائے گا۔ اگر قبر کے عذاب سے نجاست کے یہ دھبے نہ دھل سکے تو جہنم کی آگ سے اسے صاف کروایا جائے گا۔ اگر صاف ہوا تب جنت میں داخلہ کے قابل ہوگا۔ قرآن مجید میں ایسے مال و دولت سونا اور چاندی کے بارہ میں جس میں سے اللہ کے حقوق ادا نہ کئے گئے ہوں حرام طریقوں سے کمایا گیا ہو، مخلوق خدا کو اس سے فائدہ نہ پہنچایا گیا ہو کہا گیا ہے کہ ایسے سونے اور چاندی کی بڑی سلاخیں آگ میں سرخ کر کے ان کے چہروں اور جسم کے دیگر اطراف کو داغا جائے گا۔ مقصد اس سے وہی تطہیر ہوگی کہ یہ پلید اور نجس گوشت جل جائے جو ایسی دولت سے بنا ہے، دنیا میں بھی اگر کپڑوں سے نجاست اور میل کچیل ہٹاتے ہیں تو اسے آگ پر کھولتے ہوئے پانی میں ڈالتے ہیں پھر لکڑی سے یا پتھروں سے اسے مارتے ہیں تب کہیں زیب تن کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسیطرح باطنی نجاست کی تطہیر کا سلسلہ قبر ہی سے شروع ہو جائے گا، داغ دھبے مٹ گئے تو بہتر ورنہ قیامت کے دن کے شدائد سے اسے صاف کرایا جائے گا۔ وہ دن جو پچاس ہزار سال کے برابر ہے، اور سورج جو اب کروڑوں میل دور ہے اس وقت ایک میل کی مسافت پر ہو جائے گا، گرمی کا یہ عالم ہوگا کہ کوئی گھٹنوں کے برابر کوئی ناف کوئی پیشانی تک پسینہ میں غرق ہوگا، اگر ایسے شدائد پر بھی اسکی نجاستوں کی تلافی نہ ہوئی تو پھر جہنم میں اسے غوطے دئے جائیں گے۔ اگر دل میں ایمان کی روشنی ہو تو جہنم میں جلانے کے بعد اسے نکال کر جنت بھیج دیا جائے گا اور اسکی مثال دنیا میں دیکھو اگر کسی فولادی لوہے پر زنگ لگ گیا ہو تو اسے آگ میں جلا جلا کر اور ہتھوڑے مار مار کر صاف کروایا جاتا ہے۔ پھر جب ٹھنڈا ہو جائے اور زنگ بالکل دور ہو چکا ہو تو خالص اور کھرے لوہے سے اوزار بناتے ہیں۔ اگر ٹھیک سے نہ ہوا ہو اور میل وغش باقی ہو تو پھر اسے بھٹی میں ڈالتے ہیں، اگر پورے طور پر زنگ اسے کھا چکا ہو، آر پار ہو چکا ہو، اور کام کا لوہا اس میں باقی نہ رہا ہو تو اسے پھر بھٹی

کے منہ میں ہی چھوڑ دیتے ہیں، اور انگاروں کے ساتھ جلتا رہتا ہے۔ یہی مثال انسان کی ہے اگر اس کے گناہ معمولی ہوں اور عذاب برزخ سے صاف نہ ہو سکیں تو جہنم کے عذاب سے اس کی صفائی کی جائے گی، اور گناہ جسقدر سخت اور دیرپا ہوں اتنا ہی عذاب جہنم کی شدت اور مقدار کا حال ہوگا۔ اگر دل میں ایمان موجود ہو تو آخرالامر اسے نکال دیا جائے گا، لیکن اگر کفر اور شرک کا زنگ دل کو کھا چکا ہو تو اسے ہمیشہ کے لیے پھر اسی آگ میں چھوڑ دیا جائے گا۔ الغرض مذکورہ حدیث میں اسی طرف اشارہ کیا گیا کہ اکل حرام جو ایک گناہ عظیم ہے اس کی سزا جہنم سے جلنا ہے۔

صحابہؓ کرام اور خلفاء راشدین پر اللہ کی رحمت ہو، احتیاط اور تقویٰ کے کیسے کیسے نمونے ہمارے لیے چھوڑ گئے ہیں ۔۔۔ حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ ساری مملکت اسلامی کے فرمانروا ہیں۔ مگر اتنا وظیفہ لیتے ہیں کہ جس سے قوت لایموت ہوتا ہے۔ ایک بار بیوی نے حلوا کھانے کی خواہش ظاہر کی حضرت صدیق نے فرمایا کہ میرے پاس تو گنجائش نہیں ہے، البتہ مسلمانوں کی خدمت کے عوض یہ معمولی سا وظیفہ مل رہا ہے، اور اس میں گنجائش نہیں، بیوی نے ضروری یومیہ اخراجات سے پیسہ پیسہ پس انداز کیا اور ایک دن حلوا پکوایا، حضرت صدیق گھر تشریف لائے تو ان کے سامنے بھی رکھا، حضرت صدیق نے حسب معمول نئی چیز دیکھ کر دریافت کیا کہ یہ کہاں سے آیا ہے، بیوی نے قصہ سنایا کہ اسطرح بچ بچا کر کچھ پیسے جمع ہوئے اور اس ہو سے یہ تیار کرایا ہے، فرمایا اچھا یہ بات ہے۔ ہمارا گذر اوقات اس ایک پیسہ سے کم وظیفہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ حلوا اٹھا کر بیت المال بھیج دیا اور آئندہ اپنے وظیفہ سے ایک پیسہ کاٹ دیا۔ اور مشتبہات سے احتراز کا یہ حال تھا کہ ایک دن ان کے غلام نے کھانے کی کوئی چیز پیش کر دی، حضرت صدیق کو اس دن بہت بھوک تھی، عموماً ایسے موقع پر تحقیق کرتے کہ یہ کہاں کی کمائی ہے ۔۔۔؟ اس دن دریافت نہ فرمایا اور اس سے لقمہ لیکر منہ میں ڈال دیا، اتفاق کی بات کہ غلام نے خود توجہ دلائی کہ آج آپ نے دریافت نہیں کیا۔ فرمایا ہاں یہ تو غلطی ہوئی ۔ اب بتلاؤ کہ کہاں سے آیا۔ غلام نے کہا کہ میں جاہلیت کے زمانہ میں جادو ٹوٹکے کیا کرتا تھا اس کا معاوضہ اور اجرت انہوں نے اس وقت نہیں دیا تھا، آج انہوں نے راستہ میں دیکھ کر دیدیا۔ حضرت صدیق نہایت پریشان ہوئے کہ یہ تو مشتبہ کمائی تھی کہ جادو سحر کے ذریعہ حاصل ہوئی تھی، اب اسے واپس اگلنے کی کوشش شروع کی مگر نہار منہ ایک ہی لقمہ کھایا تھا تے کب ہو سکتا، نہایت تکلیف اٹھائی ہر طرح کی کوشش کی، پیٹ بھر کر پانی پیا اور حلق میں انگلیاں ڈال کر بالآخر وہ ایک لقمہ قے ہوا، لوگوں نے کہا کہ حضرت ایک لقمہ کی خاطر اتنی اذیت اٹھانے کی

کی وجہ کیا تھی۔؟ فرمایا کہ یہ تو اللہ کا کرم تھا کہ کھائی ہوئی چیز باہر نکلی، ورنہ اگر اس میں میری جان بھی جاتی تو پرواہ نہ تھی، کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ جو گوشت حرام کھانے سے بن جاتا ہے وہ آگ سے جل جانے کے مستحق ہے۔ لایربو لحمٌ نبتَ من سُحتٍ الاکانت النار اولیٰ بہ۔ (الحدیث)

محترم بھائیو! آج ہم مسلمانوں کو ان باتوں کا ذرا بھی احساس نہیں، نہ حرام سے بچنے کی پرواہ ہے، حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم میں یہ خرابی تھی کہ ناپ تول میں دھوکہ دیتے تھے۔ ترازو مارتے تھے، اللہ نے اس جرم کی وجہ سے ایک بادل ان پر بھیج دیا جس سے آگ برسی اور ساری قوم آگ سے تباہ کر دی گئی۔ آج مسلمان بھی اسی گناہ میں مبتلا ہیں، ڈنڈی مارنا تو کوئی گناہ معلوم نہیں ہوتا، خداوند تعالیٰ نے ہمیں بار بار تنبیہ کی ہے کہ اس گناہ سے بچتے رہو۔

واقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان۔	اور سیدھی ترازو تولو انصاف سے اور مت گھٹاؤ تول کو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کیلئے ہلاکت اور بربادی ہے اور انہیں ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے۔

ویلٌ للمطففین الذین اذا اکتالوا	خرابی ہے گھٹانے والوں کی وہ لوگ جب ماپ
علی الناس یستوفون واذا کالوھم	کریں لوگوں سے تو پورا بھر لیں اور جب ماپ
او وزنوھم یخسرون الا یظن اولئک	کر دیں ان کو یا تول کر تو گھٹا کر دیں۔ کیا خیال نہیں
انھم مبعوثون لیوم عظیم یوم	رکھتے وہ لوگ کہ ان کو اٹھنا ہے اس بڑے
یقوم الناس لرب العالمین۔	دن کے واسطے جس دن کھڑے رہیں لوگ راہ
.....	دیکھتے جہاں کے مالک کی۔ (شیخ الہندؒ)

ہمارے جرائم ہلاک ہونے والی قوموں سے کسی طرح کم نہیں۔ مگر یہ حضور علیہ السلام کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ پوری امت کا استیصال نہیں ہوتا، پچھلی قومیں ایسے گناہوں پر پوری کی پوری ہلاک کر دی گئی ہیں۔ اور مجموعی امت حضور اقدسؐ کی دعاؤں کی برکت سے عذاب سے اگرچہ محفوظ ہے مگر پھر بھی تکالیف شاقہ اور ذلت وادبار باہمی جنگ وجدال اور تفریق وانتشار میں مبتلا ہے جو ان گناہوں کا وبال ہے، آج عوام وخواص کی اکثریت مشتبہ اور حرام کھانے میں مبتلا ہے۔

امام بخاریؒ کے والد صاحب بہت بڑے متمول اور عالم تھے۔ لاکھوں کی تجارت تھی وفات کے وقت ایک شاگرد ان کی خدمت میں حاضر ہوا، تو فرمایا کہ اب جب اللہ کے ہاں

حاضر ہو رہا ہوں تو مجھے اطمینان ہے کہ اللہ میرے ساتھ ایک درہم (چونی) کے برابر بھی حساب نہیں کرے گا۔ آج کون ہے جو اتنے یقین کے ساتھ کہے کہ میری تجارت میں حرام کمائی نہیں یہ ان کے کمال تقویٰ کا ثبوت تھا، خود عالم اور محدث تھے پھر اس کے بدلے اللہ نے بیٹا بھی ایسا دیا کہ جس کا صدقہ جاریہ صحیح بخاری کی شکل میں قیامت تک جاری رہے گا، اور اس کا اجر ان کے والد کو بھی ملتا رہے گا ــــ ہمارے حضرت امام ابوحنیفہؒ جن کے تین چوتھائی حصہ مسلمان مقلد ہیں عالم تھے۔ دن بھر درس و تدریس کا شغل رہتا، علماء اور قضاۃ تیار کرنے اور دین کے مسائل بتلانے میں مصروف رہتے اپنا مال مضاربت پر لگوایا تھا۔ بہت بڑی تجارت تھی۔ ایک دفعہ اپنے کسی شریک تجارت کو مال تجارت دیا کہ اسے بیچ دو مگر اس میں فلاں عیب ہے۔ اُسے تاکید کر دی کہ خریدنے والے پر ضرور اس عیب کو ظاہر کر دو۔ اس نے مال فروخت کر دیا، واپس ہو کر حضرت امام کو تفصیل بتلا دی کہ فروخت ہوا اور غالباً تیس ہزار تک اس میں نفع ہوا، امام نے پوچھا کہ کیا تم نے خریدار پر عیب ظاہر کر دیا تھا ــــ؟ اس نے کہا کہ میں تو قطعی بھول گیا اور بڑی ندامت ظاہر کی امام صاحب نہایت خفا ہوئے وہ سارا نفع خیرات کر دیا، اور اس شریک کار سے شرکت کا معاملہ اسی وقت ختم کر دیا۔

حضرت مالک بن دینار بڑے صوفی عابد اور محدث گذرے ہیں، فرماتے ہیں کہ میرے ایک پڑوسی پر نزع کی حالت تھی بوقت وفات میں ان کے پاس گیا، نہایت اضطراب اور پریشانی میں تھا، مالک بن دینار نے پریشانی کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ میرے سامنے آگ کے دو پہاڑ ہیں اور مجھے حکم دیا جا رہا ہے کہ انہیں عبور کروں۔ پوچھا یہ کس چیز کے پہاڑ ہیں کہا کہ میں نے دکانداری کرتے ہوئے دو باٹ رکھے تھے، ایک پر خریدتا تھا، اور دوسرا جو اس سے کم تھا اس سے فروخت کیا کرتا۔ اب وہ دونوں ناپ تول کے پتھر ان پہاڑوں کی شکل میں میرے سامنے ہیں۔ اب میں ان پر کیسے چڑھوں اور کیسے عبور کروں ــــ؟

ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ میرے ایک پڑوسی پر سکرات موت طاری تھے اور تلقین کے باوجود کلمہ نہیں پڑھ سکتا تھا، میں نے وجہ پوچھی تو کہا کہ جب کلمہ زبان سے پڑھنے لگتا ہوں۔ تو میری دکان کی ترازو کی ڈنڈی زبان کو سختی سے دبا کر اسے روک دیتی ہے اور کلمہ پڑھنے نہیں دیتی ۔

تو بھائیو! ان گناہوں کا اثر موت کے وقت ظاہر ہونے لگتا ہے اور ایمان خطرہ میں پڑ

جاتا ہے بعض اوقات اہل اللہ اور عارفین پر ان چیزوں کا انکشاف ہو جاتا ہے، اور اس کی مثال تو حضور اقدس کے زمانے میں بھی موجود ہے ایک صحابی سے اس کی والدہ ناراض تھی، اسکی موت کا وقت آیا، حضور اس کے پاس تشریف لے گئے، کلمہ کی تلقین فرمائی مگر اسکی زبان کلمہ پڑھنے سے گنگ ہو جاتی تھی، حضور کو وجہ معلوم تھی، اسکی والدہ کو بلا کر فرمایا کہ میں آپ کے اس بیٹے کو آگ میں ڈالنا چاہتا ہوں، لکڑیاں جمع کر دو، اور حضور تو حکیم تھے، والدہ کے جذبہ ترحم کو اس طرح ابھارنا چاہا کہ یہ اپنے بیٹے کو معاف کر دے گی، والدہ نے یہ سنا تو فریاد شروع کی حضور نے فرمایا کہ جب تو اس سے ناراض ہے تو ویسے بھی اسے جہنم میں جلنا ہے تو یہاں ہی کیوں نہ جلایا جائے، ماں نے یہ سن کر فوراً بیٹے کو بخشدیا اور جب بخش دیا تو اس نے فوراً لاالہ الا اللہ کہہ دیا۔

ایک صحابی حضور کے خدمت گذار ہیں، خادم حاضر باش ہیں کرکرہ نام ہے، حضور کی اونٹنی کا کجاوہ کسی جہاد میں درست کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک تیر آیا اور وہ شہید ہو گئے، صحابہ بڑے خوش ہوئے کہ حیات جاودانی شہادت حاصل ہونے پر انہیں بے حساب خوشی ہوتی تھی۔ ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے ___ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون۔

حضور اقدس کو بھی مبارکباد دی کہ آپ کا غلام شہید ہو گیا حضور نے فرمایا: تم مبارکباد دے رہے ہو مگر میں اسے ایک چادر میں لپٹے ہوئے آگ میں جلتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، صحابہ کرام حیران ہوئے کہ حضور کا خادم اور شہادت پانے والا صحابی کیوں جل رہا ہے۔؟ اس کے سامان کی تلاشی لی گئی تو اس میں سے مال غنیمت کی ایک چادر نکل آئی جو اس نے تقسیم ہونے سے قبل اٹھالی تھی ___ پھر حضور اقدس نے فرمایا کہ جنت میں وہ شخص داخل ہوگا جو پورا مسلمان ہو، پوری صلاحیت رکھتا ہو، مسلم ہو، یعنی امن والا ہو۔

الغرض حرام کمائی سے بچنے کی کوشش کرو اور اگر یہ گناہ سرزد ہو چکا ہے تو اس کا علاج یہ ہے کہ جس کا مال کھایا اس سے معافی مانگ لو، زندہ ہو تو اس کو ورنہ اس کے ورثاء کو ان کا حق واپس کردو اور آئندہ کے لئے حق تلفی اور اکل حرام سے اجتناب کرو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم مسلمانوں کا حق پہچان لیں، اپنے بھائیوں کی آبرو رکھیں اور ہمارے ہاتھوں سے کسی کو نقصان نہ پہنچے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب مدظلہٗ
شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ ــــ دہلی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بحیثیت

داعی الی اللہ

مقاصد ــــ خصوصیات ــــ آداب ــــ مراتبِ دعوت

★

داعیاً الی اللہ باذنہ ــــ اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والا، یعنی نبی دونوں باتوں میں خدا کا محتاج ہے، کسی کو دعوت بھی اللہ کی عطا کردہ توفیق کے بغیر نہیں دے سکتا، اور جب تک خدا کا حکم نہ ہو وہ دعوت نتیجہ خیز بھی نہیں ہو سکتی۔

سراجاً منیرا ــــ چراغ چمکتا، یا چراغ نور پھیلانے والا۔ چراغ سے زیادہ چمک دمک چاند اور سورج میں ہوتی ہے۔ روشنی بخشنے اور نور پھیلانے میں بھی وہ چراغ سے لاکھوں کروڑوں گنا زیادہ ہیں۔ مگر جب "داعی الی اللہ" کی حیثیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کرایا جا رہا ہے تو آپ کو سورج یا چاند نہیں فرمایا گیا۔ بلکہ چراغ سے تشبیہ دی جا رہی ہے۔ کیونکہ داعی الی اللہ کیلئے جس سوز و گداز اور جس رابطہ اور تعلق کی ضرورت ہے وہ چاند اور سورج میں نہیں ہوتا۔

چاند اور سورج کی حقیقت کچھ بھی ہو وہ آگ کا گولہ ہوں یا کسی اور مادہ کا کرّہ ہوں، مگر اتنی بات ظاہر ہے کہ وہ محفل انسان سے بہت دور۔ اور انسان کی دسترس سے بہت بالا ہیں۔ یہ درست ہے کہ ان کی کرنیں اور شعاعیں انسان کی بہت سی ضرورتوں کے لئے مفید ہی نہیں بلکہ حیات بخش بھی ہیں۔ مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ ان کی فطرت رقت اور گداز سے محروم ہے، چاند تو ایک منجمد کرّہ ہے، جہاں

تک معلوم ہو سکتا ہے اس میں حرارت بھی نہیں، آفتاب حرارت اور سوزش کا مخزن مانا جاتا ہے۔
مگر جس کو سوز و گداز کہتے ہیں، جو ہمدردی اور غمخواری کی علت ہوا کرتی ہے۔ فطرت آفتاب اس سے
ناآشنا ہے، وہ نہیں جانتی کہ رقت کس چیز کا نام ہے، پگھلنا کس کو کہتے ہیں۔

اب آئیے چراغ پر ایک نظر ڈالیے جس طرح اس کا نور رونق محفل ہے، خود اسکی ذات
شریک مجلس ہے ہر ایک کی نظر اسکی لو تک اور انگلیاں اسکی بتی تک پہنچ سکتی ہیں۔

اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ رقت وزاری کی ایک مثال، سوز و گداز کی تصویر اور
ایثار فدائیت کا عبرت آموز سبق ہے۔ اہل محفل نشاط و مسرت میں مست ہیں۔
مگر یہ پگھل رہا ہے، سلگ رہا ہے، فدا ہو رہا ہے، قربان ہو رہا ہے، اس کا جگر
پرسوز ہے، اور وہ جو رگ جان کیطرح ایک فتیلہ ہے اس کا کس بل نکل رہا ہے۔
یہ سب کچھ کیوں ہے اور کس لئے ہے ---؟ انہیں اہل محفل کیلئے یہ سوز و گداز
ہی کی خصوصیت ہے ......

کوئی داعی الی اللہ فریضۂ دعوت ادا نہیں کر سکتا جب تک نوع انسان کی فلاح و بہبود کا درد
اس کے دل میں نہ ہو اور اسکی تمام روحانی اور جسمانی طاقتیں اس سوز و گداز کے لئے وقف نہ ہوں۔
اسے سوز و گداز کہو یا کھلے لفظوں میں آگ اور نار کہو۔ جو ایک طرف داعی کے تن من کو تحلیل کر رہی
ہے۔ اور دوسری طرف یہی نار پوری محفل اور انجمن کیلئے نور بن رہی ہے ---- مگر یہ آگ لکڑی اور ایندھن
کی آگ نہیں ہے۔ یہ آگ ہے عشق و محبت کی آگ۔ ہمدردی اور غمخواری کی آگ، شفقت و
رأفت اور غمگساری کی آگ۔ یہ آگ جتنی زیادہ ہوگی اتنا ہی اس کا مرتبہ دعوت الی اللہ کے سلسلہ
میں بلند ہوگا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک کس درجہ پرسوز تھا، اور آپکے رگ و پے
میں یہ درد کتنا سرایت کر چکا تھا، اس کا کچھ اندازہ ربِّ محمدؐ کے اس ارشاد گرامی سے ہوتا ہے؛

لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین۔
شاید تم گھونٹ مارو اپنی جان اس پر کہ وہ یقین نہیں کرتے۔

اس کے باوجود کہ کلام ربانی میں مختلف طرح سے یہ سمجھا دیا گیا تھا کہ ان کی کج روی اور گمراہی
کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے، آپ ایک رہنما اور پیغام رساں ہیں۔ آپ کو توالٰی[1] محتسب یا

---

[1] ومن تولّٰی فما ارسلنٰک علیھم حفیظاً ـ سورۃ نساء ع ۸ ج ۵ ع ۸ ـ قُلْ لَّسْتُ علیکم بوکیل ـ
سورہ نحل ع ج ۷، ع ۱۳ لست علیھم بمصیطر ـ سورہ غاشیہ ج ۳ ـ

گماشتہ ہی نہیں ہیں کہ ان کے کردار بد کی جوابدہی آپ کو کرنی پڑے - پھر بھی مشفقانہ اور مجددانہ غم و اندوہ کی حالت یہ ہے کہ :

فلعلّک باخع نفسک علیٰ آثارھم سو تم کہیں گھونٹ ڈالو گے اپنی جان ان کے پیچھے

وان لم یومنوا بھذا الحدیث اسفاً اگر وہ نہ مانیں گے اس بات کو پچھتا پچھتا کر - (سورۃ کہف رکوع ۱)

آپ ایک بوڑھے باپ کا تصور کیجئے جو اپنی کھلی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ اس کے بچے آنکھوں پر پٹی باندھ کر[1] دھکتی ہوئی آگ کی خندق کیطرف دوڑ رہے ہیں وہ چیخ رہا ہے۔ بدحواس ہو کر چلا رہا ہے، مگر بچے کچھ نہیں سنتے، نہ اپنی دوڑ[2] میں کمی کرتے ہیں، نہ آنکھوں سے پٹی کھولتے ہیں، وہ چاہتا ہے کہ کوڑے مارے۔ ان کو اس اندھی چال سے روکے تو اس کا آقا فوراً تنبیہ کرتا ہے کہ مارنے پیٹنے کا تمہیں کوئی حق نہیں، تم محض زبان سے سمجھا سکتے ہو، جبر کسی قسم کا نہیں کر سکتے اور ان کو بددعا[3] بھی نہیں کر سکتے۔ اولاد کی یہ چال اور آقا کا یہ حکم —! اس بوڑھے باپ کی کڑھن کی کیا حالت ہو گی —— "آہ کرنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے"

—— محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگر سوزی اور دل گدازی کی یہ ہلکی سی تصویر ہے ؎

شمع جلتی ہے پر اسطرح کہاں جلتی ہے ہڈی ہڈی مری اے سوز نہاں جلتی ہے

رات کی تاریکی کو قسم دے کر پوچھو وہ سچ سچ بتائیگی۔ شب کے آخری لمحات میں صبح صادق سے کچھ پہلے جب انسان کی فطرت سلیم خود انسان کو اپنے رب اور پروردگار کے سامنے جھکنے اور اس کے سامنے گڑگڑانے کا وعظ کہا کرتی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کیا ہوا کرتی تھی، جب وہ اپنی چند گز کی تنگ کوٹھڑی میں جسکی چھت سر سے لگتی تھی، جس میں نہ تازہ ہوا کا کوئی انتظام تھا نہ روشنی کا، وہ خستگی اور شکستگی کے ساتھ کھڑے ہو کر اور کبھی رکوع میں جھک کر۔ اور زیادہ فرشِ زمین پر پیشانی رگڑتے ہوتے قلب گریاں اور قسم پر تم کے ساتھ

---

[1] علیٰ ابصارھم غشاوۃ۔ (بقرہ ع ۱)

[2] کمثل الذی ینعق بما لا یسمع الا دعاءً ونداءً صمٌّ بکمٌ عمیٌ فھم لا یعقلون۔ (بقرہ ع ۲۱ ج ۲)

[3] اولٰئک کالانعام بل ھم اضل اولٰئک ھم الغٰفلون۔ (اعراف ع ۲۲)

[4] لیس لک من الامر شیءٌ او یتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظٰلمون۔ (آل عمران ع ۱۳)

کیا کہا کرتا تھا ــــــ؟ ان تمام دعاؤں کو جمع کیا جاوے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے۔ ہمیں اس وقت وہ رات یاد آرہی ہے جس میں زبان مبارک پر یہ آیت آگئی۔

ان تعذبھم فانھم عبادك وان　　　اگر تو ان کو عذاب کرے تو وہ بندے ہیں تیرے

تغفر لھم فانك انت العزیز الحکیم　　　اور اگر ان کو معاف کر دے تو تو ہی ہے زبردست

(سورہ مائدہ آخری رکوع)　　　حکمت والا۔

یہ آیت زبان مبارک پر آئی تو ایک کیفیت طاری ہوئی، دل بھر آیا گریہ طاری ہوا، آپ پھوٹ پھوٹ کر رونا چاہتے ہیں، مگر نماز کا ادب آواز نکالنے سے روک رہا ہے، تو سینہ مبارک میں ابلتی ہوئی ہنڈیا جیسی کھڑکھڑاہٹ پیدا ہوئی، آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری ہو گئی، اور پوری رات اسی آیت کے ورد میں گذر گئی۔

بشر المومنین میں بشارت دینے کی عملی صورت پیش فرمائی گئی کہ جو لوگ آپ کی دعوت کو قبول کرلیں ان کو خوشخبری سنا دو کہ ان کے لئے خداوند عالم کی طرف سے اتنی بڑی فضیلت ہے کہ کسی نبی کی کوئی امت ان کے ہم پلہ نہیں ہے، اور سب سے افضل ہوں گے۔ اس کے بعد ان کا معاملہ تھا جو کھلے بندوں مخالفت کرتے ہیں۔ یا دسیسہ کاری اور تصنع سے کام لیتے ہیں کہ دل میں کفر بھرا ہوا ہے اپنے اور ظاہر کرتے ہیں کہ وہ آپ کے متبع اور فرمانبردار ہیں ــــ کلام الٰہی ان کو کافر اور منافق کہتا ہے۔ اور ان کے لئے دو باتوں کی ہدایت کرتا ہے، اول یہ کہ ان کی دلداری کے لئے آپ ایسا ہرگز نہ کریں کہ ان کی باتوں پر چلنے لگیں جب وہ کافر و منافق ہیں تو ان کی باتیں بھی ایسی ہی ہوں گی۔ دوسری ہدایت کے الفاظ ہیں۔ دع اذاھم۔ اس لفظ کی تفسیر دو طرح کی گئی اور عجیب بات یہ ہے کہ باپ بیٹے کی رائے مختلف ہے۔

سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اس کا ترجمہ کرتے ہیں:

"از نظر اعتبار بگذار رنجانیدن انسان را"

یعنی یہ کافر اور منافق آپ کو جو کچھ ایذا پہنچاتے ہیں اسکو نظر انداز کیجئے اس کا خیال مت کیجئے۔ اور اپنے خدا پر بھروسہ کیجئے، وہ آپ کا کارساز ہے، اور حضرت شاہ صاحب کے قابلِ فخر فرزند ارجمند حضرت شاہ عبدالقادر صاحب اس کا ترجمہ یہ کرتے ہیں: اور چھوڑ دے ان کو ستانا اور بھروسہ کر اللہ پر اور اللہ بس ہے کام بنانے والا۔ ممکن ہے کاتب صاحب کی یہ مہربانی ہوئی ہے کہ "ان کا" کی بجائے "ان کو" لکھدیا ہو، اگر شاہ عبدالقادر صاحب کے الفاظ یہ ہوں

کہ چھوڑ دے۔ ان کا ستانا، تو مفہوم وہی ہو جاتا ہے۔ جو حضرت شاہ ولی اللہ نے فرمایا ہے لیکن کاتب کی غلطی نہ مانی جائے اور "ان کو" ہی صحیح سمجھا جائے۔ تو باپ اور بیٹے کے ترجموں میں یہ فرق ہوگا، کہ باپ کے ترجمہ کے بموجب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فراخی حوصلہ اور عفو و درگذر کی ہدایت ہو رہی ہے، اور حضرت شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کے بموجب ہدایت یہ ہے کہ درپے انتقام نہ ہوں، یعنی یہ تو ضروری ہے کہ آپ پوری طرح محتاط رہیں ان باتوں میں نہ آئیں لیکن ان کی چالبازیوں کے جواب میں آپ ان کو کوئی سزا دینا چاہیں تو یہ بھی درست نہیں ہے۔ آپ ان کو ستانے کا خیال بھی نہ کریں۔ بلکہ ان کی ان حرکتوں کا جواب خدا کے حوالہ کر دیں۔ آپ اس پر بھروسہ رکھیں وہ آپ کا کارساز ہے۔

اب اس پوری بحث کو دامن کو سمیٹیں تو داعی الی اللہ کی یہ خصوصیات سامنے آئیں گی۔

۱۔ اذعان و یقین ۔۔ جس سے داعی الی اللہ کا سینہ پر نور ہو۔

۲۔ اپنی دعوت کی صداقت پر اذعان و یقین جیسے شاہد کو اپنی شہادت پر یقین ہوتا ہے۔

۳۔ دعوت کے قبول کر لینے سے جو فوائد پہنچ سکتے ہیں ان کو سامنے رکھے اور ان کی بشارت دے ۔۔۔

۴۔ قبول نہ کرنے کی صورت میں حاکمانہ دھمکیوں کی بجائے ناصحانہ انداز اختیار کرے، اور پدر مشفق کی طرح نتائج بد سے آگاہ کرے۔

۵۔ داعی الی اللہ خلوت گزیں نہیں ہوگا بلکہ شمع کی طرح شریک مجلس ہوگا۔ اسطرح کہ اس کے انفاس و کلمات پر نور ہوں، تو قلب و جگر پر سوز ہوں۔

۶۔ اس تمام میل ملاپ کے باوجود ضروری ہے کہ وہ محتاط رہے، دلداری میں اس حد تک آگے نہ بڑھے کہ جس کے لئے دعوت دے رہا ہے۔ اسی آقا کی خلاف ورزی ہونے لگے۔

۷۔ داعی کا سینہ فراخ اور حوصلہ بلند ہو، وہ مخالفین کی چالبازیوں اور گستاخیوں کو نظر انداز کرتا رہے۔ (شاہ ولی اللہ صاحب)

۸۔ مخالفین جو کچھ حرکتیں کریں، داعی الی اللہ جب تک منصب دعوت و تبلیغ پر ہے اسکو انتقام لینا درست نہیں ہے۔ جزاء سیئة سیئة مثلها۔ اس کا وظیفہ عمل اور طریق کار نہیں ہوگا ۔۔۔ بلکہ اس کا لائحہ عمل ادفع بالتی ھی احسن۔ ہوگا۔

(جواب وہ ایسے طریقہ سے جو بہت ہی حسین ہو جس کا نتیجہ یہ ہو کہ دشمن دوست بن جائیں)

(حضرت شاہ عبدالقادر صاحب)

۹۔ انتقام یا چالبازی کے جواب میں چالبازی کی بجائے داعی کی نظر اللہ پر ہونی چاہیئے۔ اور اسی کے فضل وکرم پر اس کو اعتماد رکھنا چاہیئے۔

تزکیہ اخلاق اور روحانی تربیت | قرآن حکیم کی متعدد آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور شان بھی بتائی گئی ہے، یعنی تزکیہ اخلاق اور روحانی تربیت ـــــ دعوت الی اللہ کے نتیجہ میں جب ایک شخص اپنے رب اور معبود کیطرف متوجہ ہوا، اسکی عظمت اور بڑائی کا اقرار کرتے ہوئے اس کے احکام کی پابندی کا اس نے عہد کیا تو ضروری ہے کہ اس کے عمل اور کردار میں بھی وہ خوبیاں نمایاں ہوں جو انسانیت کا جوہر ہیں۔ جن کی بناء پر انسان کو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے۔ نیز ایک بندہ اور پروردہ ہونے کے لحاظ سے اپنے پروردگار اور اپنے مالک وخالق کے ساتھ بھی اس کا تعلق مضبوط ہو۔ پس برائیوں کو زیادہ سے زیادہ ناپید کرنے اور خوبیوں اور بھلائیوں کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کرنے کا نام "تزکیہ اخلاق" ہے، یعنی عادتوں اور خصلتوں کو برائیوں سے پاک کرنا اور خدا سے تعلق جوڑنے اس کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنے اور اس مضبوطی کو روز افزوں اور ترقی پذیر بنانے کو "روحانی تربیت" کہا جاتا ہے۔ نبی کا کام صرف بلاوا دیدینے پر ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ یہ دونوں کام بھی اس کے فرائض میں ایسی اہمیت رکھتے ہیں کہ جن پر نبوت ورسالت کی پوری عمارت قائم ہوتی ہے، جو شخص نبی کا نائب ووارث بن کر ان فرائض کو انجام دیتا ہے اسکو پیر اور مرشد کہا جاتا ہے۔ ہماری زبان میں پیر اور مرشد کے جو الفاظ بولے جاتے ہیں ان سے وہ پاک انسان مراد ہوتے ہیں جو نبی کا نائب اور وارث بن کر انقلاب پیدا کرنے والی عظیم الشان خدمت انجام دیتے ہیں ـــــ　　(جاری ہے)

حضرت نبی کریمؐ نے اخلاق کی تعلیم پر جس قدر زور دیا ہے اس کے مطالعہ کے بعد یہ دعویٰ کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مذہب اسلام کی تمام تر تعلیم کا لب لباب اگر ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو وہ صرف "اخلاق" ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے تین مرتبہ یہی سوال کیا۔ "دین کیا ہے۔؟" آنحضرتؐ نے تینوں مرتبہ یہی جواب فرمایا: "اخلاق"

گذشتہ ماہ تبصرۂ کتب میں "اسلامی مذاہب" کے ناشر کا پتہ رہ گیا ہے، جو کہ یہ ہے:
ملک برادرز کارخانہ بازار لائل پور"
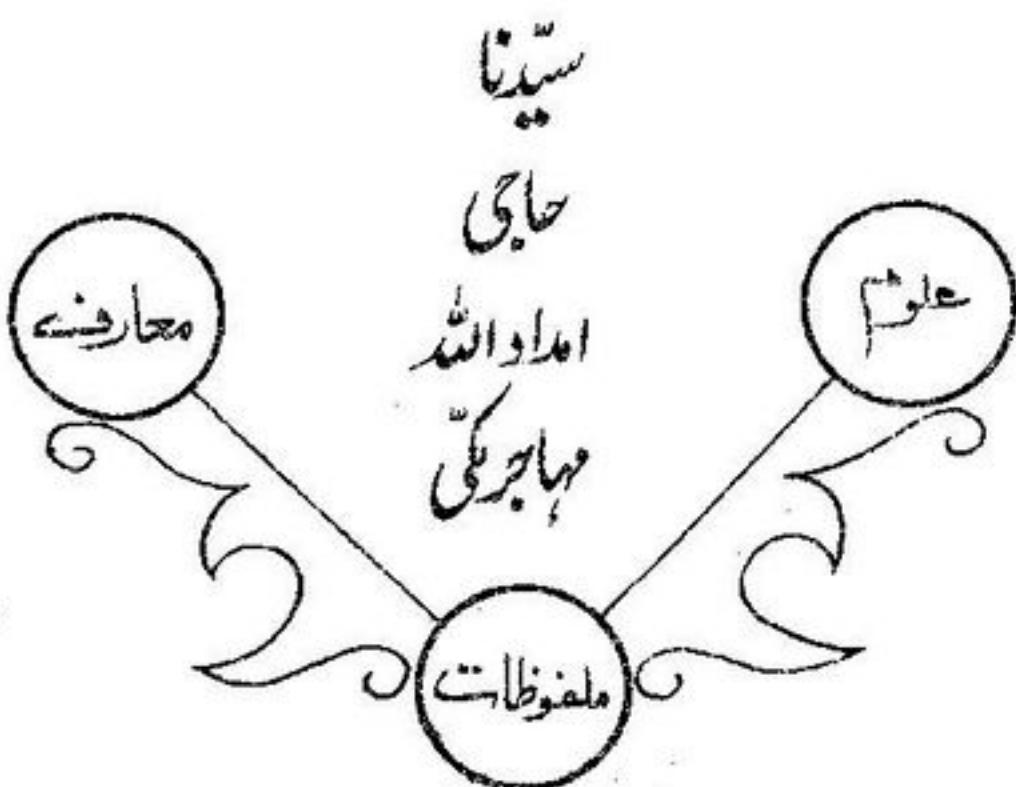
بروایت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

آیئے! حضرت حکیم الامتؒ کی زبان سے حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے ملفوظات سنئے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت حاجی صاحبؒ کے ملفوظات بیان کر رہا تھا، ایک وکیل صاحب بیٹھے سن رہے تھے، اور مزے لے رہے تھے، ایک حالت ان پر طاری تھی، انہوں نے مجھے مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا ؎

تو منور از جمال کیستی　　　　تو مکمل از کمال کیستی

میں نے فی البدیہہ جواب دیا ؎

من منور از جمال حاجیم　　　　من مکمل از کمال حاجیم

شروع میں "فرمایا" لکھوں گا جس سے مراد ہوگی حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا۔ آخر میں حضرت حکیم الامتؒ کے مواعظ حسنہ، ملفوظات اور تصانیف کا حوالہ بھی درج کر دیا جائے گا۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

فرمایا: محققین ذکر کیلئے یوں ہی فرماتے ہیں کہ خلوص قلب کا انتظار نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ جسطرح ہو ذکر کرنا چاہیئے۔ اس کی برکت سے شدہ شدہ خلوص بھی پیدا ہو جائے گا۔ یہ سب باتیں حضرت

حاجی صاحب قدس اللہ سرہم کے یہاں جاکر حل ہوئیں۔ چنانچہ حاجی صاحبؒ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ریا ہمیشہ ریا ہی نہیں رہتی۔ پہلے ریا ہوتی ہے، پھر عادت ہو جاتی ہے، پھر عبادت بن جاتی ہے۔ غرض ریا ہمیشہ ریا نہیں رہا کرتی آخر مبدل بخلوص ہو جاتی ہے۔ پھر وہ خلوص موجب قرب ہو جاتا ہے۔ (شکر النعمۃ بذکر رحمۃ الرحمۃ ص۵، فان الجنۃ ہی الماوٰی ص۲، فروغ الایمان ص۵)

۲- فرمایا: میں سچ کہتا ہوں کہ ان رسوم نے لوگوں کو خدا و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد سے بہت روک رکھا ہے۔ میں نے ایک واقعہ خود دیکھا کہ حضرت حاجی صاحبؒ سے ایک شخص نے بیعت کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ دوسرے وقت پر رکھو۔ دوسرے وقت اور چند آدمی بیعت ہونے آئے۔ حاجی صاحبؒ نے ان صاحب سے بھی فرمایا کہ بھائی آؤ تم بھی بیعت ہو جاؤ۔ تو آپ فرماتے ہیں۔ میں ابھی بیعت نہیں ہوتا۔ میں تو مٹھائی لاکر بیعت ہوں گا۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ ان رسوم نے کیسی لوگوں کی راہ مار رکھی ہے۔ بھلا اس سے بڑھ کر کیا خوش نصیبی تھی کہ شیخ خود بلائے کہ آؤ ہم تمہارے خریدار ہیں، اور عاشق صاحب ہیں کہ مٹھائی نہ ہونے کی وجہ سے رکے جاتے ہیں۔ بس سوا اس کے کہ تعلق کی کمی ہے، اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ بس اگر محبت ہے تو یہ قیود خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ کس قدر مانع ذکر ہیں۔ (شکر النعمت بذکر رحمت الرحمۃ ص۱۳)

۳- فرمایا: حضرت حاجی صاحب کا قول ہے کہ میں خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا اور اگر مخلوق میں کچھ ڈر ہے تو اپنے نفس کا۔ ان میں سے ایک خوف عظمت کا ہے یعنی وہ خوف جسکی وجہ عظمت ہو یہ تو خدا سے چاہئے۔ اور ایک خوف مضرت یعنی نقصان کا ہے۔ یہ خوف نفس سے چاہئے۔ بس اس کے سوا کوئی خوف مسلمان کے پاس نہیں آسکتا۔ اسی بارے میں کہا ہے ؎

موحد چہ در پائے ریزی زرش — چہ شمشیر ہندی نہی بر سرش

امید و ہراسش نباشد ز کس — ہمیں ست بنیاد و توحید و بس

موحد اور عارف کے قدموں میں خواہ سونا بکھیر دیں یا اس کے سر پر تلوار رکھیں۔ امید اور خوف اسکو بجز خدا کے کسی سے نہیں ہوتا۔ توحید کی بنیاد بس اسی پر ہے۔ (الظاہر ص۲)

۴- فرمایا: حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ عاشق احسانی ہیں۔ عاشق ذاتی یا صفاتی نہیں کیونکہ عاشق کی تین قسمیں ہیں۔ ۱- عاشق ذاتی ۲- عاشق صفاتی۔ ۳- عاشق احسانی۔ عاشق ذاتی تو محض محبوب کی ذات کو ہی محبت کے قابل سمجھتا ہے، چاہے اس میں

کوئی کمال نہ ہو، عاشق صادق محبوب سے بوجہ اس کے کمالات کے محبت کرتا ہے، تو فرمایا کہ بھائی ہم لوگ عاشقِ احسانی ہیں۔ جب تک راحت سے گزرتی ہے تو محبت قائم رہتی ہے، اور اگر ذرا ادھر سے عطا میں کمی ہو جائے تو ہماری محبت کمزور ہو جاتی ہے، اسی لئے حضرت حاجی صاحبؒ ترکِ لذات کا امر نہ فرماتے تھے، بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ خوب کھاؤ پیو اور کام کرو۔ اس کا راز یہ ہے کہ پہلے زمانے میں لوگوں میں قوت تھی۔ اس لئے راحت و تکلیف دونوں حالتوں میں ان کو حق تعالیٰ سے تعلق یکساں رہتا تھا۔ اور اب ضعف ہے۔ اگر مزید ار نعمتیں ملتی رہیں تب تو حق تعالیٰ سے محبت رہتی ہے، اور نہیں تو مشقت و تکلیف میں وہ حالت نہیں رہتی اور فرمایا یہی راز ہے کہ شریعت نے حج کے واسطے زاد و راحلہ کی شرط لگائی، کیونکہ ہم لوگ عاشقِ احسانی ہیں۔ جب راحت کے ساتھ حج کریں گے تو خدا تعالیٰ کے ساتھ محبت زیادہ ہوگی۔ اور اگر زاد و راحلہ نہ ہو تو بجائے محبت کے اور دل میں رکاوٹ پیدا ہو گی۔ مگر یہ زاد و راحلہ کی قید انہیں ضعفاء کیلئے ہے جو کہ عاشقِ احسانی ہیں، ورنہ اقویا کی بابت تو خود نص میں ذکر ہے۔ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ٥

حق تعالیٰ شانہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کر دو۔ لوگ آپ کے پاس پیدل اور دُبلی اونٹنیوں پر سوار ہو کر آئیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض لوگ پیدل بھی آئیں گے جن کے پاس زاد و راحلہ نہ ہوگا اور ان کو پیدل جانے میں گناہ بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ حق تعالیٰ اس مقام پر ان آنے والوں کی مدح فرما رہے ہیں کہ پیدل آنے والے بھی حق تعالیٰ کے یہاں ممدوح ہوں گے۔ تو یہ لوگ ضعفاء نہیں۔ اقویا ہیں۔ جنکے واسطے زاد و راحلہ کی کوئی قید نہیں۔ ان کو اس سفر کی کسی کلفت سے پریشانی نہیں ہوتی۔ (شکر النعمۃ بذکر رحمۃ الرحمۃ ص۵۶)

۵۔ فرمایا: یہ مسئلہ حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں جا کر حل ہوا۔ حاجی صاحبؒ سے جب کوئی یہ کہتا کہ حضرت نوکری چھوڑ دوں تو آپ ارشاد فرماتے کہ نوکری مت چھوڑو، تم کام میں لگے رہو، کام کرتے کرتے پھر تم خود ہی چھوڑ دو گے کسی سے پوچھو گے بھی نہیں، سبحان اللہ بڑے محقق تھے۔ (شکر النعمۃ بذکر رحمۃ الرحمۃ ص۱۱)

۶۔ فرمایا: حضرت فرماتے تھے ملازمت ترک کرنے کی کیا ضرورت، جب اللہ تعالیٰ کا نام دل میں گھر کرے گا، وہ خود ہی چھوڑ دے گا۔ مشہور ہے، آب آمد و تیمم برخاست ؎

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت ہر کہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

ہاں یہ حکم ایسے شخص کیلئے ہے جس کے کھانے پینے کی کوئی سبیل نہ ہو، کہ ایں بلا دفع بلاہا ست بزرگ ـــ اور اگر کسی شخص کے پاس کوئی ایسا ذریعہ موجود ہے تو اسکو یہی مناسب ہے کہ اس پر قناعت کرے اور یاد خدا میں مشغول ہو ے عارف رومی

خوشا روزگارے کہ دارد کسے　　　کہ بازار حرصش نباشد بسے

بقدر ضرورت یسارے بود　　　کند کارے مرد کارے بود

(تفاضل الاعمال ص۱۹)

۷۔ فرمایا: کہ حضرت حاجی صاحبؒ کا ارشاد ہے کہ جس قدر نظر وسیع ہوتی جاتی ہے۔ اعتراض کم ہوتا جاتا ہے۔ (ملفوظات کمالات اشرفیہ ص۵۴)

۸۔ فرمایا: ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ آجکل درویشی دو پیسہ میں آتی ہے۔ ایک پیسہ کا گیرو لیا اور ایک پیسہ کی تسبیح۔ گیروا کپڑے پہن لئے اور تسبیح گھمانی شروع کی۔ اگر زندگی میں بھی ولی نہ ہوئے تو مرنے کے بعد ولی بنا دیا طوائف کے قبضہ میں ہے جسکی قبر پہ ایک بار مجرا کرلیا، وہ ولی ہوگیا۔ (الظاہر ص۵)

۹۔ فرمایا: کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں کسی کی شکایت سنی نہیں جاتی تھی اور نہ کسی سے بدگمان ہوتے تھے۔ اگر کوئی کہنے لگا اور حضرت بوجہ حلم منع بھی نہ کرتے، مگر جب وہ کہہ لیتا تو فرماتے کہ وہ شخص ایسا نہیں ہے۔ (یعنی تم جھوٹے ہو) ـــ (ملفوظات کمالات اشرفیہ ص۵۴)

۱۰۔ فرمایا: اپنے شیخ سے کوئی فرمائش خود کرنا بدتمیزی ہے۔ شیخ سے اگر کوئی حالت مخفی ہو تو کہہ دے۔ باقی طریقہ تعلیم اسکی رائے پر چھوڑ دے۔ اوّل تو شیخ محقق خود ہی تجویز کر لیتا ہے تاکہ اس کے موافق علاج کرسکے۔ چنانچہ ہمارے حضرتؒ طالبین سے اتنے حالات معلوم کرتے تھے، فرصت[۱] کتنی ہے، آمدنی[۲] کیا ہے، اور کتنی[۳] ہے۔ صحت[۴] کیسی ہے۔ تعلقات[۵] کیا کیا ہیں، قوت[۶] کتنی ہے۔ کیونکہ قوت سے زیادہ کام نہیں بتانا چاہیئے ے

خستگاں را چوں طلب باشد وقوت نبود　　　گر تو بیداد کنی شرط مروت نبود

اور اسی طرح وہ عوام کو اشغال نہیں بتلاتے، اعمال بتلاتے ہیں، کیونکہ وہ اشغال کے ثمرات کے متحمل نہیں ہوں گے ے

چار پارا قدر قوت بار نہ　　　بر ضعیفاں قدر ہمت کار نہ

چار پاؤں پر بقدر قوت بوجھ لادو اور کمزوروں کو بقدر ان کی ہمت کے کام دو، کیونکہ ے

طفل را گر ناں دہی بر جائے شیر　　　طفل مسکیں را ازاں ناں مردہ گیر

بچہ کو اگر بجائے دودھ کے روٹی دو گے تو بچارے طفل کو اس روٹی سے مردہ جان لو (الظاہر صفحہ ۲۹)

۱۱۔ فرمایا: کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص کسی کے پاس اللہ کے واسطے کوئی چیز لائے تو اسکو ضرور کھانا چاہیئے، اس سے نور پیدا ہوتا ہے۔ (ملفوظات کمالات اشرفیہ صفحہ ۵۵)

۱۲۔ فرمایا: کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی یہ حالت تھی کہ اپنے ہر ہر خادم کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ آنے والوں کے قدموں کی زیارت کو اپنے لئے ذریعہ نجات سمجھتا ہوں۔ حضرتؒ پر شانِ عبدیت کا غلبہ رہتا تھا۔ مطلب یہ کہ اپنی اہلیت کا اعتقاد نہ رکھے، تمنا کی ممانعت نہیں۔ (ملفوظات کمالات اشرفیہ صفحہ ۹۷)

۱۳۔ فرمایا: کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے طریق کا حاصل یہ ہے کہ باطن میں عشق و سوز ہو اور ظاہر میں اتباع (شریعت) ہو اور بزرگی وہ ہے جس میں بزرگی سٹ جائے مگر بدون بزرگی پہلے ہوئے فنا حاصل نہیں ہوتا۔ جیسے آم میں شیرینی جب آتی ہے کہ پہلے ترشی آئے۔ شیرینی کی قابلیت ترشی سے ہوتی ہے، جیسے آم میں شیرینی نہ آئے تو وہ شیریں نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا مزہ خراب رہتا ہے۔ اسی طرح بزرگی درمیان میں آتی ہے پھر فنا حاصل ہوتا ہے۔ (ملفوظات کمالات اشرفیہ صفحہ ۱۲۷)

۱۴۔ فرمایا: جتنا کوئی محقق ہوگا، اتنا ہی بدنام ہوگا۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ اسکی نظر گہری ہوتی ہے لوگ وہاں تک پہنچتے نہیں، بظاہر اسکی باتیں ان کو خلاف معلوم ہوتی ہیں۔ اس لئے کفر تک فتویٰ قائم کر دیتے ہیں۔ اس لئے محققین ہمیشہ بدنام ہوئے ہیں۔ مگر کیسے لوگ تھے کہ بڑی بڑی تصنیفات کی ہیں کہ عادتاً قلیل عمر میں ایسا ہونا دشوار ہے۔ اور پھر یہ کہ عبادت بکثرت کرتے تھے۔ ہم لوگ اگر دو سو رکعت نفل پڑھیں تو اور سب کاموں کو چھوڑ دیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ جب انسان کو عالم ارواح سے مناسبت ہو جاتی ہے۔ تو وہ زمان و مکان کے ساتھ زیادہ مقید نہیں رہتا۔ اس کے کام میں برکت ہونے لگتی ہے۔ یہ حضرات متقدمین ایسے ہی تھے اور اس برکت میں زیادہ دخل تقویٰ کو ہے ——————

—— (ملفوظات کمالات اشرفیہ صفحہ ۱۵۴)

۱۵۔ فرمایا: کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے وجدان میں مردوں کو برابر ثواب پہنچتا ہے۔ لیکن حضرت مولانا گنگوہیؒ کا گمان غالب اس کے خلاف تھا۔ عرض کیا گیا کہ حضور (حضرت حکیم الامتؒ) کا گمان غالب کیا ہے، فرمایا کہ میرا گمان یہی ہے کہ کسی گمان کی ضرورت نہیں۔ پھر فرمایا کہ ادب یہ ہے کہ کچھ پڑھ کر علیحدہ بھی صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو بخش دیا کرے،

خواہ زیادہ کی ہمت نہ ہو، مثلاً تین بار قُلْ ھُوَ اللّٰہُ پڑھے۔ ایک کلام مجید کا ثواب پہنچ جائیگا۔ پھر اپنا معمول بیان فرمایا کہ میں جو کچھ روزمرہ پڑھتا ہوں۔ اس کا ثواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور تمام انبیاء و صلحاء و عام مسلمین و مسلمات کو جو مر چکے ہیں، یا موجود ہیں، یا آئندہ پیدا ہوں سب کو بخش دیتا ہوں اور کسی خاص موقع پر کسی خاص مردہ کیلئے بھی کچھ علیحدہ پڑھکر بخش دیتا ہوں۔ استفسار پر فرمایا کہ زندوں کو بھی عبادت کا ثواب پہنچتا ہے۔ (ملفوظات کمالات اشرفیہ صـ ۱۹۱)

۱۶۔ فرمایا: کہ حضرت حاجی صاحب ؒ سے اگر کوئی ذکر و شغل کا نفع ظاہر کرتا تو فرماتے استعداد تو تمہارے اندر خود موجود تھی میرے ذریعہ سے صاف ظاہر ہوگئی، لیکن تم القیامت سمجھنا، تم یہی سمجھنا کہ مجھ سے تم کو یہ نفع پہنچا ہے، ورنہ تمہارے لئے مضر ہوگا۔ یہ شان اہل مقام ہی کی ہوتی ہے۔ ورنہ اہل حال ایک ہی بات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں، دوسرے پہلو پر انکی نظر نہیں جاتی۔ (ملفوظات کمالات اشرفیہ صـ ۱۹۳)

۱۷۔ فرمایا: کہ حضرت حاجی صاحب ؒ فرمایا کرتے تھے کہ جائے بزرگاں بجائے بزرگاں۔ اس پر جناب خواجہ صاحب (حضرت مولانا عزیز الحسن صاحب مجذوب ؒ) نے عرض کیا کہ حضور حضرت حاجی صاحب ؒ کے حجرہ میں کبھی نہیں بیٹھے۔ فرمایا کہ مجھ پر توحید کا غلبہ ہے۔ اس لئے ایسے امور کی طرف مجھے التفات نہیں۔ مجھے عقیدت تو بے حد ہے بزرگوں کے ساتھ مگر جوش کے درجہ میں نہیں۔ عرض کیا گیا حضور کو عقیدت عقلی ہے طبعی نہیں۔ فرمایا کہ جی نہیں عقیدت طبعی ہے۔

مدنی شیخ رح کی مجلس میں

جامع و مرتب

احقر سمیع الحق غفرلہٗ بزمانہ قیام مدینہ ۱۳۸۳ھ

مقام

مدینہ طیبہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

زمانۂ ملفوظات

۲۲ رمضان المبارک تا ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۸۳ھ

۱۳۸۳ھ میں مدینہ طیبہ کی پہلی حاضری اور طویل قیام کے دوران حق تعالیٰ نے حضرت مولانا عباسی مرحوم کی مجالس میں شمولیت اور بعض و فضائل ارشادات قلمبند کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ پھر یہ ملفوظات صاحب ملفوظات کو سنانے اور ان میں اضافہ و ترمیم کرانے کا موقعہ بھی ملا۔ اب انہیں قارئین الحق کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے ——— سمیع الحق

فرمایا: مولانا خالد رومی بہت بڑے عالم اور بزرگ ہیں کردستان کے باشندے تھے، علوم معقول و منقول، فلسفہ، دینیات، علم اسطرلاب و مساحت و ہندسہ کوئی فن فنون اور علوم کا ایسا نہیں چھوٹا تھا، اسی طرح علوم ریاضی میں جامع عالم تھے، نہایت استحضار تھا۔ رشحات ایک کتاب علم تصوف میں ہے، اس کے حاشیہ پر مولانا کے حالات تھے۔ اس میں یہ قصہ لکھا ہے کہ میں باوجود ان تمام علوم و فنون کے اپنے قلب کو خالی پاتا تھا، نہ ذوق تھا نہ شوق اور نہ ذات حق سے لگاؤ۔ نہ جمعیت خاطر اور نہ قلب میں سکون پاتا تھا۔

اس دوران حرمین الشریفین حاضر ہوا اصل مقصود حج و زیارت تھا، مگر ایک کامل و مکمل شیخ سے ملنے کا داعیہ بھی دل میں تھا کہ قلب سے جمود ختم ہو جائے، پہلی حاضری مدینہ منورہ ہوئی۔ مشائخ، فقراء صلحاء سے طمانیت قلب کی تلاش میں ملنے لگا۔ یہ زمانہ دولت ترکیہ کا تھا۔ مشائخ اور صوفیاء پر بھی بندش نہ تھی، حرم نبوی ہی میں سب خدمتیں درس اور ارشاد و اصلاح کی ہوتی تھیں۔ مسجد میں علماء کا مجمع لگا تھا، میں بھی حاضر ہوا، ایک بزرگ تقریر فرما رہے تھے کہ تین چیزیں جس بندہ کو خدا نے دیں وہ بڑا خوش نصیب ہوگا۔ ۱۔ علم شریعت جو اساس اور بنیاد ہے ورنہ غلط راستہ پر بھٹک جانے کا

احتمال ہوتا ہے۔

۲۔ عقیدہ اہل سنت والجماعت رکھتا ہو نہ وہابی ہو کہ لامذہب نہ ہو، نہ بدعتی ہو کہ شرک و رسوم اور بدعات میں گرفتار ہو جائے۔

۳۔ اس کا سلسلہ حضرات نقشبندیہ سے قائم ہو، نسبت نقشبندیہ اس کو حاصل ہو۔

مولانا خالد رومی نے فرمایا: کہ میں نے سوچا کہ الحمد للہ خدا نے عالم شریعت بھی بنایا علم بھی صحیح دیا ہے، اور عقیدہ بھی صحیح ہے، لیکن تیسری چیز کی کمی ہے کہ قلب نسبت سے خالی ہے۔ میں نے مجمع سے دعا کی درخواست کی کہ خداوند تعالیٰ نسبت بھی صحیح عطا کر دے، سب نے مسجد نبوی میں میرے لئے دعا فرمائی۔ اس کے بعد وہاں کے ایک یمانی فقیر سے میرا لگاؤ ہوا مگر اتنا نہیں کہ ان سے ارتباط قائم کروں صرف اس کی مجلس میں شرکت کرتا، اور جس وقت میں نے مکہ معظمہ جانے کا ارادہ کیا تو ان کی خدمت میں حاضر ہوا کہ شیخ دعا میں یاد فرمایا کریں اور مکہ معظمہ کے بارہ میں کچھ وصیت بھی فرما دیں، دعا فرمائی اور وصیت بھی کی کہ وہاں وقت ضائع نہ کرنا بلکہ سارے اوقات، طواف، نفل، تلاوت، ذکر اور قضا نمازوں کے اعادہ وغیرہ عبادات میں لگانا اور حرم مکہ میں کسی پر تنقید وجرح سے ہر حالت میں بچنا اپنے کام میں لگے رہنا۔ (اس کے بعد ان سے رخصت لیکر مکہ معظمہ گیا۔) اور جس وقت میں نے طواف قدوم شروع کیا تو اسی اثنا میں ایک شخص کو دیکھا جو شاذروان[1] کعبہ کو تکیہ لگائے بیٹھا ہے، سرخ ڈاڑھی رکھتا ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ ہم لوگ بلاد بعیدہ[2] نائیہ میں رہ کر خانہ کعبہ کے جہت کو پیٹھ اور پاؤں تک نہیں پھیلاتے اور اس گستاخ نے عین خانہ کعبہ کو پیٹھ کر کے تکیہ لگایا ہے، اس خیال کا آنا تھا کہ اس شخص نے کہا کہ: انسیت نصیحۃ الشیخ الیمانی[3]۔ میں سمجھا کہ یہ تو کوئی صاحب کشف ہے، میری تنقید اور اعتراض کا کشف اس کو ہوا، میں نے جلدی سے اس کے پاس دوڑا اور عرض کیا کہ: علمنی مما علمک اللہ[4] اور عرض کیا کہ میں عرصہ سے کسی شیخ کامل کی تلاش میں ہوں، انہوں نے ہندوستان میں شاہ غلام علی دہلوی مجددی کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہاں جائیے، میں سمجھا کہ نصیب حجاز مقدس میں نہیں ہے جس طرح جسمانی ارزاق مقرر ہیں اسی طرح روحانی غذا اور ارزاق بھی مقدرات خداوندی میں سے

---

[1] خانہ کعبہ کے چاروں طرف پشتائی کے طور پر جو پتھر ہے اُسے شاذروان کہتے ہیں [2] دور دراز شہر
[3] تم یمنی شیخ کی نصیحت بھول گئے۔ [4] اللہ کے دئے گئے علم سے مجھے بھی کچھ سکھا دیجئے۔ "سمیع"

ہیں۔ یہ بھی غذائے روح ہے۔ الغرض ہندوستان روانہ ہو کر پہلے پانی پت میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ سے ملاقات کی وہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے خلیفہ تھے، اور شاہ غلام علی بھی، عالم را عالم دولی را ولی می شناسد، خالد رومی کی گفتگو قاضی صاحب نے سنی تو پہچان گئے کہ عالم اجل ہے، حضرت قاضی صاحب بھی بہت بڑے پایہ کے بزرگ اور عالم تھے تفسیر مظہری ان کی تصنیف ہے، خیال آیا کہ حضرت خالد رومی کچھ فیض ان سے حاصل کرلیں جب توجہ دینے لگے تو اتنے میں توجہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی کا تمثال ان کو ظاہر ہوا، فرمایا جاؤ تمہاری قسمت شاہ دہلوی کے ہاں ہے۔ ادھر شاہ دہلوی کو ان کی آمد کا علم ہوا، تو خدام جماعت سے ہدایت کی کہ جاؤ ایک عالم جلیل بقصد اصلاح باطن میرے پاس آرہا ہے، الہامات صحیحہ تھے، کشف و انوار تھے تو فرمایا کہ جس وقت وہ آجائیں تو اس کا اکرام کرکے یہاں لے آؤ ــــ یہی زمانہ ہمارے شاہ احمد سعید مدنی اور ان کے بھائی شاہ عبدالغنی مجددی کا تھا۔ یہ دونوں حضرات یہاں بقیع میں مدفون ہیں، اور اسی زمانہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب، مکہ معظمہ میں تھے، دہلی میں جب غدر ہوا تو شاہ احمد سعیدؒ وہاں سے نکلے، جامع مسجد دہلی میں جہاد کا علم اٹھایا پھر قلعہ ہمایوں میں تین دن چھپے رہے، انگریزوں کا وارنٹ لگا رہا۔ پھر ڈیرہ اسمٰعیل خاں وغیرہ قبائلی علاقوں سے چھپ چھپا کر نکلے اور مدینہ طیبہ روانہ ہوئے، بہرحال خدام نے حضرت خالد رومی کو شاہ غلام علی صاحب کی خدمت میں پیش کردیا، انہوں نے بلا انتظار اشارۂ باطنی سے انہیں بیعت کردیا تو بیٹھے وہاں رہے اور برابر سقاوہ وضو خانہ وغیرہ میں مشک بھر بھر کر ڈالتے رہتے کہ مہمان اس سے وضو کریں اور حلقہ میں بھی تادبًا و تواضعًا شیخ صف نعال میں بیٹھتے، شیخ نے خلافت مطلقہ کی اجازت دی اور فرمایا: ہرچہ بود کردی ہمرہ خود بردے[1] ــــ ویسے ہی ہوا، مولانا خالد رومی کا لقب علوم ظاہری و باطنی دونوں میں تکمیل کی وجہ سے ذوالجناحین ہے یعنی دو پروں والے تھے، علوم تو ان لوگوں کے تھے کہ کمال علمی بھی اور پھر کمال نسبت بھی رکھتے تھے، رخصت ہوتے وقت اپنے شیخ سے کہا کہ حضرت جس علاقہ اور ملک میں میرا جانا ہے وہاں رفاعیہ اور شاذلیہ وغیرہ سلسلے ہیں، نقشبندیہ کو کوئی نہیں پہچانتا، فرمایا جاؤ وہ لوگ تمہارے ہاتھ چومیں گے۔ تم ہی تم ہوگے، استقامت سے لگے رہو۔ پھر کیا ہوا۔؟ عجیب فیضان جاری ہوا اور شاہ دہلوی کے زمانہ میں ایسا فیضان کہ سبحان اللہ عجیب حالت تھی، مقبولیت کی وجہ سے علماء اور

---

[1] یعنی جو کچھ تھا کردی عالم اپنے ساتھ لے گیا۔

مشائخ رسم و رواج نے مخالفت شروع کر دی یہاں تک کہ ان کی تکفیر پر رسالہ لکھا گیا۔ چھپ گیا تو بادشاہ وقت کو بھی پیش کیا گیا، بادشاہ نے پڑھ کر شیخ کو حاضر ہونے کا حکم دیا کہ ان کی صورت سیرت، گفتار و کردار بھی تو دیکھ لوں، اس وقت کے سلاطین زمانہ بھی تو دماغ رکھتے تھے، کلام، صورت، سیرت دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ شخص بھی کافر ہے تو پھر اس ملک میں مسلمان ہے ہی نہیں۔ پھر تو اتنا عروج ہوا کہ اللہ اکبر بادشاہ خود عقیدتمند ہوا اور اجازت وعظ و ارشاد کی دیدی۔ مخالفین بھی اپنے کام میں لگے رہے، ایک شخص نے مریدوں کو پریشان کرنے کی خاطر ایک دفعہ ختم خواجگان کے دوران آکر کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تمہاری آنکھیں نکالی گئی ہیں۔ کان اور زبان کاٹے گئے ہیں، اس کا خیال یہ تھا کہ معتقدان بس کہ بدظن ہوجائیں گے۔ شیخ سمجھ گئے اور فرمایا کہ یہ تو بڑا مبارک خواب ہے۔ اور کہا کہ آنکھیں محرمات سے نکالی گئی ہیں، زبان اور کان جھوٹ اور فواحش بولنے اور محرمات و منکرات دیکھنے سننے سے روک دی گئی ہیں، پاؤں منکرات کا قصد کرنے سے روک دیئے گئے ہیں۔ یہی تیرے خواب کی تعبیر ہے پھر ایک معقول انعام بھی اس شخص کو دیدیا وہ شخص نہایت شرمندہ ہوا معافی مانگی اور صحیح واقعہ بیان کیا کہ مخالفین کی سازش اور پیسوں کے لالچ میں میں نے یہ کام کیا۔ الحمدللہ کہ خدا نے مجھے ہدایت دی اور ان کے مقررہ پیسوں سے زیادہ انعام سے بھی نوازا، اب تو ان کا انکے ممالک میں ایسا فیض ہے کہ خود نقشبندیہ کا نام بھی نہ رہا، جب کسی سے پوچھو من انت تو جواب میں انا خالدی (میں خالدی ہوں) سنیں گے، یہ خواجہ دہلوی کا فیض ہے کہ عالم میں حضرت خالد رومی نے اسے منتشر کر دیا تو علم ہو، صحیح اور اس کے ساتھ ایسا فیض تب مخلوق کو فائدہ ہوتا ہے۔

فرمایا: ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ یہ کام علماء کا ہے، مثلاً کل آپ نے صفات سلبیہ اور شئونات کے بارہ میں پوچھا تھا، اور میں نے بتلا دیا کہ سلبی صفات میں نفی کا معنی موجود ہے۔ قدم، حدوث کی نفی کرتا ہے۔ قائم بالذات، نفی قیام بالغیر کی کرتا ہے۔ مخالفت مع الحوادث سے مشابہت مع الحوادث کی نفی ہوتی ہے۔ اسی طرح وحدانیت بھی سلبی صفت ہے کہ ذات اور صفات میں ان کی شبیہ کی نفی اس سے ہوتی ہے ــــ اسی طرح ذات وصفات کی درمیانی حالت کا نام شئون ہے۔ مثلاً قدرت صفت؛ ور قدیر اسم ہے اللہ کا ــــ رحمت صفت اور رحیم اسم ہے۔ یعنی مشتقات اسماء ہیں اور مشتق منہ صفات ہیں۔ اسی طرح تکوین صفت ہے اور مکوّن اسم ہے۔ کلام صفت اور متکلم اسم ہے ــــ اب ذات وصفات

کے درمیان جو علاقہ ہے اُسے شؤن کہتے ہیں، یہ صفت اعتباری ہے، جیسے بین الموضوع والمحمول نسبت رابطی ہوتا ہے، مثلاً عالمیت ذات حق اور علم کے درمیان کی چیز ہے۔ اب ان باتوں کو عوام کیا جانیں ان کو تو سرسری اذکار اور لطائف بتلا دیئے جاتے ہیں۔

فرمایا: اس تصوف اور اصلاح باطن کے طرق پر ہزاروں کروڑوں لوگ متفق چلے آرہے ہیں، اور صرف عوام ہی نہیں بلکہ اہل حق اور علماء اجلہ۔ ایسے اشرف علم کی مخالفت غلط چیز ہے، اسی طرح مذاہب اربعہ پر اجماع ہے کہ حق ان میں دائر ہے۔ تو اس کی مخالفت غلط چیز ہے۔ ان علماء فقہاء اور صوفیہ کے مقامات تک کوئی نہیں پہنچا، لوگ آجکل غلط قسم کی صحبتوں سے برا اثر لے لیتے ہیں۔ موالک، شوافع، حنابلہ، احناف، سب میں بے حد و حساب صوفیاء عارفین اور بزرگ گذرے ہیں۔

فرمایا: امام احمدؒ نے امام شافعیؒ پر اعتراض کیا کہ تم کیوں ایک شیبانی چرواہے کی طرف دوڑتے پھرتے ہو، اس میں تو نے کیا دیکھا ہے، انہوں نے فرمایا کہ چلو تم بھی ایک دن میرے ساتھ چلو۔ لے گئے، سوال کیا فی کم کم ۔؟ (کتنے میں کتنا ہے؟) اس نے جواب دیا کہ شریعت میں یا طریقت میں، شریعت میں تو فی اربعین شاۃ شاۃ ہے (چالیس بھیڑوں میں ایک زکوٰۃ میں دینی ہے) اور طریقت میں تو سب کچھ اللہ کا ہے، ہمارا کچھ بھی نہیں ہے۔

فرمایا: اگر یہ چیز (اخلاص اور خشیۃ) حاصل ہو تو مقصد حاصل ہوگا ورنہ "راہے کہ تو می روی بترکستان است" والا معاملہ ہوگا۔ اگر اخلاص ہو اور ریا وخودی سے ہر عمل دور ہو تو مزا ہے اور یہ روح ہے تمام علوم کی۔ لیکن اخلاص اور جمعیت قلب ارباب اخلاص وجمعیت کی مصاحبت سے پیدا ہوتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: المرء علی دین خلیلہ فلینظر من یخالل۔ —— دیندار سے دوستی کروگے تو دین آئے گا، بد دین سے صحبت ہوگی تو بد دینی پیدا ہوگی۔ جو لوگ غلط صحبت میں جائیں گے، تو تمام حالات اور معاملات غلط ہو جائیں گے۔ اچھی صحبت میں صفات حمیدہ پیدا ہوں گے، اور صفات ذمیمہ کٹ جائیں گے۔ اور یہ چیز حاصل ہوتی ہے دوام ذکر سے۔ اگر شیخ متقی ہو، معتقد صوفیاء ہو، وہابیت وغیرہ سے دور ہو مگر ضرور رنگ چڑھتا ہے خالی نہیں رہتا۔ آجکل یا تو ذکر نہیں، اگر ہے تو اتباع سنت نہیں، عقیدہ نہیں غلط رسموں سے نہیں بچتے، سلف صالحین کے طرق پر نہیں چلتے، لوگ لہو الحدیث میں گرفتار ہیں، رات بھر گانے سنتے ہیں، ڈھول سنتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کے سننے سے انوار پیدا ہوتے ہیں، توحید کا مادہ بڑھتا ہے۔

کیونکہ یہ ذات پاک کا کلام ہے، اس کے پاک اثرات ہیں، کسی منافق کے کلام کے اثرات بھی غلط ہوتے ہیں، ظلمت ہوتی ہے دل مردہ ہوتا ہے۔

فرمایا: پہلی مرتبہ جب حج کر کے میں مدینہ طیبہ حاضر ہو کر جالی مبارک کے سامنے کھڑا ہوا تو جالی مبارک سے اتنی خوشبو آرہی تھی کہ میرے منہ سے بے اختیار نکلا کہ یہ کافر لوگ کیوں یہاں نہیں آتے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر کے ایمان سے آئیں اور وہ خوشبو ایسی تھی کہ مجھے دماغ تک محسوس ہوتی تھی۔

اسی دوران ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ مواجہ شریف کے سامنے کھڑا ہوں، حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر شریف سے فیض و انوار اٹھتے ہیں۔ اور امواج کی طرح جالی مبارک سے نکل کر میرے قلب کی طرف آتے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ الحمد للہ جو فیض بالواسطہ ملتا تھا اب بلا واسطہ مل رہا ہے اور مجھے حیرانی ہے کہ میں اس فیض کو کیسے برداشت کر سکوں گا۔ جب خواب سے بیدار ہوا تو عجیب خوشی اور انشراح کی کیفیت تھی۔

رحمت کا وہ عظیم الشان دریا اب بھی مدینہ طیبہ میں بہتا ہے۔ میرا مشاہدہ ہے اور مجھے اس خواب کی حلاوت بھی کافی عرصہ تک محسوس ہوتی تھی، پھر ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک مقفل ہے، اور اسکی چابی مجھے دی گئی ہے۔ میں نے چابی لی دروازہ کھولا اندر دیکھا تو اوپر نیچے گلاب کے پھول دیکھے اور درمیان میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا اور بے حد خوش ہوئے، میں نے دل میں کہا کہ میرے متعلقین اور احباب دافرہ کہاں ہیں کہ انہیں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کراتا اٹھا تو بے حد بشاشت تھی۔ میں اب بھی وہ کیفیت نہیں بھول سکتا۔

اسی طرح میں نے اپنے ملک میں ایک دفعہ خواب دیکھا کہ گاؤں میں ہمارے اپنے گھر سے مسجد کی طرف حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جا رہے ہیں، حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے فرمایا: "کہ میں آپ کو بیعت کرانا چاہتا ہوں" میں نے کہا کہ حضور میں تو بزرگان نقشبندیہ سے بیعت ہوں جن کا سکونت مدینہ طیبہ میں باب جبریل کی طرف بقیع میں ہے۔ فرمایا ہاں میں تمہیں خود اہل بیعت کے سلسلہ میں بھی بیعت کرنا چاہتا ہوں قادری سلسلہ میں۔ میں نے وضو کیا پھر مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیعت فرمایا یہ انہی کا فیض ہے کہ جہاں بھی رہتا ہوں لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ اور میرے نزدیک خواب اولیٰ ہے یقظہ اور کشف سے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے : من رآنی فی المنام فقد رأی الحق (اوکما قال علیہ السلام)

مجھے اس زمانہ میں علم نہ تھا کہ باب جبریل کی طرف شاہ ابوسعیدؒ اور شاہ احمد سعیدؒ، شاہ عبدالغنی مجددیؒ دہلوی حضرت آدم بنوریؒ سیدنا عثمان بن عفانؓ کے پہلو مبارک میں دفن ہیں۔ اب میں جب بھی جاتا ہوں وہاں فاتحہ پڑھتا ہوں[1]۔

بزرگان دیوبند کے اسانید میں ان حضرات کا نام نامی موجود ہے۔ حضرت شاہ احمد سعید مجددی علیہ الرحمۃ کا مسجد نبوی میں حلقہ ہوتا تھا۔ لکھا ہے کہ فرماتے کہ میں دیکھتا ہوں کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام بعض حضرات کو خود توجہ دیتے ہیں، بڑے متورع بزرگ تھے، اور حاجی صاحب مرحوم کا زمانہ پایا تھا۔ یہ کہنے کی باتیں نہیں تھیں مگر اس وقت زبان پر آگئیں ؎

گرچہ من ناپاک ہستم خود را بپاکاں بستہ ام

بحمداللہ میری زنجیر اور رشتہ اوپر سے مضبوط ہے، میں غلط باتوں کی تلقین نہیں کرتا، مقصد احیاء سنن ہے، ترویج شریعت ہے اس لئے باہر جاتا ہوں اگر یہ چیز نہ ہوتی تو مدینہ طیبہ سے باہر کبھی بھی نہ نکلتا۔ میں خود جاتا نہیں وہ لوگ بلاتے ہیں، بحمداللہ ڈاکو اور چرسی قسم کے لوگ ان اسفار میں تائب ہو گئے ہیں یہ محض خدا کا فضل ہے، یہ میرا کام نہیں قدرت کا فضل ہے۔ مجھے شرف دے رہا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ہے۔ اب کام دین کا ہو رہا ہے، بدع و منکرات کو مٹایا جا رہا ہے، میں تو یہی کہتا ہوں کہ سگریٹ حقہ وغیرہ چھوڑنا ہوگا، بیوی کا پردہ کرنا ہوگا، جس سے کہا اس نے سر رکھ لیا، پھر مجھے رونا آنے لگتا ہے کہ یہ تیرا کام نہیں اللہ تعالیٰ کا ہے کہ وہ تجھ سے کام لینا چاہتا ہے۔

فرمایا : کہ جنوبی افریقہ میں نیروبی کے لوگوں نے بہت کوشش کی کہ تم یہاں کم از کم ۱۵ دن کے لئے آجاؤ، میں نے کہا کہ نہیں آسکتا، پاکستان بھی اس لئے جاتا ہوں کہ وہاں رشتہ دار ہیں، اقارب ہیں، پھر وہاں دنیاداری نہیں ہے اگر افریقہ جاؤں تو لوگ کہیں گے کہ عبدالغفور دنیاداری کیلئے افریقہ گئے۔ پھر میں جو کہوں گا وہ مانو گے بھی نہیں، نہ ڈاڑھی کٹوانا چھوڑو گے، نہ اور برائیاں ترک کرو گے۔ تو ایسے آنے سے کیا فائدہ ــــ! (جاری ہے)

---

[1] راقم جامع ملفوظات کو بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت صاحب ملفوظات قدس سرہٗ کی رہنمائی اور ارشاد ہی سے ان حضرات کے مزارات پر فاتحہ خوانی کا شرف بخشا۔ نسبت باطنی اور انوار و برکات کی وجہ سے حضرت مرحوم کو جنت البقیع میں اس مقام سے بے حد انس تھا اور حسن اتفاق کہ حضرت قدس سرہٗ کو بھی اسی مقام پر خوابگاہ آخرت میسر آئی۔ فضیلت اور شرف کے لحاظ سے اکثر علماء اجلہ نے بقیع میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مرقد مبارک کو اولیت دی ہے۔ (سمیع الحق)

مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی
خطیب جامع مسجد۔ حضرو

سیّد المجاھدین

مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ دہلوی

★

ہم نے قومی ہیروؤں کے ساتھ جو شرمناک سلوک روا رکھا ہے، اسکی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ ہماری گذشتہ ڈیڑھ سو سال کی علمی زندگی میں قومی ہیروؤں کے جس قدر تذکرے لکھے گئے ہیں ان میں شاہ اسمٰعیلؒ اور حضرت سید احمدؒ بریلوی ایسی عظیم المرتبت شخصیتوں کا نام تک موجود نہیں،

—— کون سید احمد بریلویؒ ——؟ جن کے متعلق اکابرین امت کی رائے یہ ہے :

الف ، ہمیں نہ نماز آتی تھی نہ روزہ ، سیّد صاحب کی برکت سے یہ دلوں میں آ گئے ——

(مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی رحمۃ اللہ علیہ)

ب : سیّد صاحب جن قصبات میں تشریف لے گئے وہاں اب تک خیر و برکت ہے گویا وہ ایک نور مستطیل تھے، جدھر گئے وہ پھیل گیا۔ (حضرت مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ والد ماجد شیخ الہندؒ)

ج : جہاں جہاں حضرت کے قدم گئے وہاں وہاں خیر و برکت کے آثار پائے جاتے ہیں۔

(حضرت مولانا محمد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ —— شاندار ماضی صفحہ ۱۱۹ ج ۲)

اور وہ عظیم المرتبت الشان جس پر آپ کے شیخ و مربی سراج الہند حضرۃ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کو اتنا اعتماد تھا کہ حکیم الامت مولانا شاہ ولی اللہ الدہلویؒ کی تعلیم کے مطابق انقلاب بپا کرنے کیلئے جو مختلف گروپ بنائے ان میں سے ایک گروپ کا قائد آپ کو (سید صاحبؒ کو) مقرر کیا جس کے ذمہ اہل وطن میں روح انقلاب بپا کرکے رضا کار بھرتی کرنا ، انہیں فوجی ٹریننگ دینا ، مالیہ فراہم کرنا دوسرے ممالک سے روابط و تعلقات اور باضابطہ جنگ جیسے اہم امور تھے ——

(علماء کا شاندار ماضی صفحہ ۹۷ ج ۲)

اس گروہ کی قیادت سید صاحبؒ کو اس لئے سونپی گئی کہ وہ نواب امیر علی خان کی فوج میں رہ کر باقاعدہ محاذ جنگ کا عملی تجربہ کر چکے تھے۔ نیز روحانی کمالات میں پوری جماعت میں فائق تھے۔ (ایضاً ص ۹۹ ج ۲)

اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ نے ہی سید صاحب سے علم و فضل اور عمر میں بڑا ہونے کے باوجود مولانا عبد الحی صاحب اور شاہ اسمٰعیل صاحبؒ کو بیعت ہونے کا حکم دیا۔ (ایضاً ص ۹۹ ج ۲)

پھر مریدان باصفا نے جس گرویدگی کا ثبوت دیا اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ:
جب سید صاحب دیوبند پہنچے تو سواری پر سوار تھے، دو صاحب رکابیں تھامے ہوئے تھے، استقبال کرنے والوں نے آگے بڑھ کر سید صاحبؒ سے ملاقات کی اور رکابیں تھامنے والوں کو بغور دیکھا لیکن پہچان نہ سکے۔ سید صاحبؒ نے فرمایا ان سے ملو یہ مولانا عبد الحیؒ اور شاہ محمد اسمٰعیلؒ ہیں۔ (ایضاً ص ۱۹۵ ج ۲) اس وارفتگی و تعلق خاطر کو بدفطرت دشمن انگریز بھی تسلیم کرتا ہے۔ چنانچہ مشہور متعصب انگریز ہنڈ لکھتا ہے کہ:
مولانا عبد الحیؒ اور مولانا محمد اسمٰعیلؒ جیسے لوگ عام خدمتگاروں کیطرح ان کی پالکی کے ساتھ ننگے پاؤں دوڑنا فخر سمجھتے تھے۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۲۲)
سید احمدؒ کے دو وفادار اور دیانتدار رفقائے کار تھے، مولوی عبد الحیؒ اور مولوی محمد اسمٰعیلؒ اور انہوں نے اپنے قائد کیلئے ہر قسم کی مدد اور کمک پہنچانے میں کوئی کمی روا نہ رکھی۔ (کرنل الیگزنڈر کا سفرنامہ بحوالہ مقالات ص ۴۲)

اور مرید باصفا شاہ اسمٰعیل کے دل میں جتنی اتنی وقعت تھی کہ قیام لکھنؤ کے دوران جب حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کے انتقال پرملال کی خبر ملی تو شاہ اسمٰعیل کو تحقیق کی غرض سے دہلی روانہ کیا، ساتھ ساتھ اپنا گھوڑا سواری کے لئے دے دیا۔ شاہ صاحب نے پیر کا گھوڑا سمجھ کر سارا سفر پیدل کیا اور گھوڑے کی لگام تھام کر ہمراہ لائے۔ (ارواح ثلاثہ ص ۲۹)

وہ سید احمد بریلویؒ جنہیں بجا طور پر تیرھویں صدی کے مجدد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اور وہ کہ جس نے دیوبند سے گذرتے ہوئے جس جگہ آج مرکز علمی دار العلوم ہے، کہا تھا کہ مجھے یہاں سے بوئے علم آتی ہے۔ (الفرقان مجددؒ نمبر) اس بوئے علم کا نظارہ کرنا ہو تو عرب و عجم کے شہروں کو دیکھو فضلاء دیوبند کے حلقے ہر جگہ نظر آئیں گے اور سید کے فرمان کا اندازہ ہوگا۔

اور وہ سید احمدؒ جس نے غیر ملکی اقتدار کے خلاف جہاد اسلامی کی طرح ڈالی۔ لیکن افسوس کہ نام نہاد مسلمانوں کی بدعہدیوں کا شکار ہو گیا اور سرزمین بالاکوٹ کی سینہ خون مقدس سے لالہ زار بنایا اور بَلْ اَحْیَاءٌ کے زمرہ میں شامل ہو گیا۔ اس قسم کے انسان کے تذکرہ سے سرد مہری ــــ؟ شرمناک نہیں تو اور کیا ہے ــــ؟ فیا للعجب۔

اور کون شاہ محمد اسمٰعیلؒ ــــ؟ بقول مولانا محمد میاں مراد آبادی: ملک و ملت کا وہ سرفروش مجاہد جس کا عمل فلسفہ ولی اللّٰہیؒ کی تفسیر تھا، اور جس کا ایثار قربانی ذبیح اللہ کی زندہ تصویر۔ اجسکا دل دولتِ درد سے مالامال تھا، اور جس کا جگر سوزِ محبت کا سرمایہ دار، جسکا علم ہمدوشِ عمل اور جس کا عمل آئینہ دار علم بے پایاں۔ آزادی فکر کا سب سے بڑا حامی، جمہوریت کا علمبردار، ملوکیت کا سب سے بڑا دشمن، شاہ پرستی کیلئے فرشتہ موت، سرمایہ داری سے بیزار، غلامی کے ناپاک تصور سے ناآشنا، اسکی زندگی سعی پیہم تھی۔

کتابِ زندگی کا آغاز بابِ جہاد سے ہوا، اور اسی جہاد پر زندگی کا آخری ورق پلٹا گیا ــــ باپ مولانا شاہ عبدالغنیؒ دادا وہی حضرت شاہ ولی اللہؒ جنکی تحریک کو لیکر میدان جہاد میں پہنچا۔ اور اسی راستہ میں شہید ہو کر حیاتِ جاودانی حاصل کی۔

علم و عمل کے گھرانے میں پیدا ہوا اسی فضا میں تربیت پائی، والد کی وفات لڑکپن میں ہو گئی تھی۔ قدرت نے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی آغوش شفقت پرورش کے لئے منتخب کی۔ چچا پر ناز کرتا تھا اور چچا کو بھتیجے پر فخر تھا۔ وہ باربار کہا کرتا تھا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَھَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ۔ (نواسہ) ــــ (شاندار ماضی صفحہ ۱۹۰/۲)

وہ عظیم انسان جس کے متعلق ایک نیاز مند کے یہ کلمات سراسر مبنی بر صداقت ہیں۔

ایسا عالم باعمل، فاضل بے بدل، صاحبِ اخلاق، شہرۂ آفاق، المعی زمان، لوذعی دوران، واقف علوم، معقول و منقول، کاشف دقائق فروع و اصول، رافع اعلام توحید و سنت، قامع بنیان شرک و بدعت، فتوت کردار، شجاعت ذثار، اس وقت میں ہم نے کہیں نہ سنا، دیکھنا تو کیا، ؟ (جماعت مجاہدین صـ ۱۲۸) علم کا وہ بحر بیکراں جسے سراج الہند شاہ عبدالعزیزؒ نے خود شیخ الاسلام لکھا اور جس کے دستخط کو اپنے دستخط قرار دیا۔ "ایشاں (مولانا عبدالحیؒ، شاہ صاحبؒ) در علم تفسیر حدیث وفقہ و اصول و منطق وغیرہ از فقیر کمتر نیستند مہر و دستخط ایشاں گویا دستخط فقیر است۔ (شاندار ماضی صـ ۹/۲) وہ راسخ العقیدہ مسلمان جسے ایک غیر جانبدار مورخ نے یوں خراج عقیدت

پیش کیا :

خلافتِ راشدہ کے بعد اسلام نے حقیقی نمونے کے مسلمان کم پیدا کئے ہیں، اور شاہ صاحب جیسے راسخ العقیدہ مسلمان تو اس سے بھی کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ (مقالات صہ ۳)

ایک ایسا متبع سنت کہ جب ایک مرتبہ اس کے شیخ حضرت سید احمدؒ صبح کی نماز میں دیر سے پہنچے تو سرعام یوں محاسبہ کیا۔ جناب آپ کی بیوی صرف ایک رات آپ کے پاس رہی ہے اور آپ خدائی فرض سے غافل ہو گئے، آپ قیامت کے روز اس کا کیا جواب دیں گے۔؟

(مقالات صہ ۴۹)

اور قرآن کریم کا اسقدر شیدائی کہ منکر قرآن کے متعلق اس کا فیصلہ یہ ہے :

میں ہر شخص کو قرآن مجید سے تشفی بخش جواب دیتا ہوں اور اس کے باوجود اگر وہ انکار کرے تو میں اسکی تشفی اس تلوار سے کرتا ہوں۔ (ایضاً)

شاہ پرستی اور ملوکیت سے اتنا متنفر کہ اپنی کتاب منصبِ امامت کے صہ ۹۸ پر یوں راقم ہے : ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا عین انتظام ہے اور ان کو فنا کے گھاٹ اتار دینا عین اسلام! ہر صاحبِ اقتدار کی اطاعت کرنا حکمِ شریعت نہیں، اور نہ ہر جابر و قابض کے سامنے گردن جھکا دینا دین کا حکم ہے۔

کچھ لوگ انہیں محض سکھ کا مدمقابل گردانتے ہیں اور انگریز کے متعلق کچھ اور سمجھتے ہیں، لیکن یہ اقتباس کیا کہہ رہا ہے۔ (فتفکّروا)

وہ ایک ایسا انسان تھا کہ اشاعت و تبلیغ دین کا درد اس کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ چنانچہ یہی درد کبھی تو اسے دہلی کی سب سے بڑی بدکار عورت کے بنگلہ پر لے گیا، جہاں وعظ فرما کر بلیسیوں زنانِ بازاری کو صراطِ مستقیم پر لگا دیا۔ (ارواح ثلاثہ صہ ۵۲)

کبھی تبلیغی مہم میں رخنہ کے خوف سے اپنی بڑھی اور بیوہ بہن کے قدموں میں عمامہ ڈال کر اس کا دوسرا نکاح کرا دیا اور اسطرح سنتِ نبوی زندہ کی۔ (ایضاً صہ ۶۸) کبھی شاہی دربار میں پہنچا تو وعظِ بے نظیر سے بی بی کی صحنک کی رسم بند کرا دی۔ (ایضاً صہ ۷۰) خدا نے اسے اتنا نوازا تھا کہ وہ عصر سے مغرب تک پورا قرآن کریم ختم کر دیتا تھا۔ (ارواح ثلاثہ)

افسوس کہ اس پائے کے انسانوں کے متعلق ہم نے بڑا شرمناک رویہ اختیار کیا کسی نے انہیں دشمنِ رسول ثابت کرنے کے لئے وہابی کے لفظ کا بے دریغ پروپیگنڈا کیا اور کسی نے انگریز کی

بجائے سکھ کیوں ۔۔۔؟ کا بیہودہ سوال کھڑا کر کے ان کی عظمت و رفعت کو کم کرنے کی سعی نامسعود کی۔

وہابیت کا پروپیگنڈا | تذکرہ شروع کرنے سے قبل سرسری طور پر ان دو مسئلوں کی صفائی ضروری ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

جہاں تک وہابیت کے پروپیگنڈا کا تعلق ہے۔ اس سلسلہ میں اب یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ یہ سب انگریز کی نقالی ہے۔ انگریز جو اس ملک میں بقال بن کر آیا، جب اس نے اپنی مکارانہ پالیسی اور بعض بے ضمیر و سیاہ بخت مسلمانوں کی غداری و بدعہدی کے سبب عنانِ اقتدار سنبھالنے کی کوشش کی تو اسے سب سے زیادہ جس طاقت سے واسطہ پڑا وہ علماءِ حق کی طاقت تھی یا پھر سلطان ٹیپو شہیدؒ جیسے چند غیور اور باضمیر فرمانروا جنکا تعلق گروہ علماء سے تھا۔ (جیسا کہ سیرت سید احمد شہیدؒ کے مصنف کی تحقیق ہے کہ سلطان کا تعلق سید صاحب کے بزرگوں سے تھا۔) انگریز ملعون جب طاقت کے بل بوتے پر کامیابی حاصل نہ کر سکا تو اس نے تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو کی مکروہ پالیسی پر عمل کیا، چنانچہ حکمانہ ہدایت ملاحظہ فرمائیں: ہندوستان میں ہماری حکومت کے ہر صیغہ کو خواہ وہ خارجی تعلقات سے واسطہ رکھتا ہو، یا عدالتی اور حربی نظم و نسق سے، یہ اصول ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیئے۔ کہ تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو۔ (حکومت خود اختیاری صفحہ ۵۲،۵۱) اس پالیسی کے ضمن میں جس ہتھیار نے سب سے زیادہ کامیابی کے مواقع مہیا کئے وہ یہی لفظ وہابیت تھا، چنانچہ سلطان شہید علیہ الرحمۃ کو بھی وہابی کہا گیا، یعنی دشمنِ رسول! اور کہا کہ سلطان نے ایک بار کہا تھا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس جیسے ہیں۔ (معاذ اللہ) ۔۔۔ (سلطان ٹیپو از محمود بنگلوری)

اور پھر اس ضمن میں مکہ تک کے نام نہاد علماء کے فتوے حاصل کئے جو بقول ہنٹر انبار کی صورت میں تھے ۔۔۔ ایسے فتوؤں کا انبار اکٹھا کیا۔ جن کے ذریعہ سلطان کو خوب خوب بدنام کیا اور اس طرح وہ مشعلِ حریت عین میدان میں اکیلا رہ گیا۔ (اور بعد میں دوسرے مجاہدین کے ساتھ یہی ہوا۔) انگریز کی اس پالیسی کی وضاحت خود ہنٹر نے کر دی۔ لیکن افسوس کہ فریب خوردہ مسلمان آج تک وہی راگ الاپے جا رہے ہیں۔

ہنٹر نے لکھا: وہابی اور غدار مترادف الفاظ ہیں۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان) گویا جس سے خطرہ محسوس ہوا اسے وہابی (دشمنِ رسول) کہہ کر بدنام کر دیا ۔۔۔ اس مختصر اقتباس کے بعد کوئی پردہ تو نہیں رہ جاتا۔ لیکن ایک اور اقتباس سنیں ۔۔۔ وہابیوں نے جہاد کی تلقین و ترغیب میں اتنا لٹریچر

قوم کو دیا کہ اسے اکٹھا کیا جائے تو دفتروں کے دفتر تیار ہو سکتے ہیں۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان)

ان فتوؤں کی اشاعت کیسے ہوتی۔؟ ہنٹر جواب دیتا ہے۔ "ہر مسلمان مولوی (نام نہاد) جسکی مسجد یا خانقاہ کے ساتھ ایک دو گز زمین ملحق تھی، وہابیوں کے خلاف چلانے لگا اور پچاس سال تک اسی کام میں مصروف رہا۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان)

یہ ہے اصل حقیقت وہابی وہابیت کی بقول ہنٹر جو اتنا متعصب ہے کہ حضرت سید احمدؒ جیسے امیر المجاہدین اور علمبردار حریت کو ڈاکو اور لٹیرا لکھتا ہے۔ (معاذ اللہ)

ان واضح حقائق کے بعد بھی میسور، بالاکوٹ اور شاملی کے میدانوں میں اپنا خون پیش کرنے والے زندانِ وطن کو بسانے والے اور انگریز کے ناک میں دم کرکے اسے ملک چھوڑنے پر مجبور کرنے والے پروانگانِ شمع آزادی کو وہابی (دشمن رسول) کہنا ایک انتہائی شرمناک جسارت ہے جو بے نصیب اور سیاہ بخت تو کر سکتے ہیں۔ عقلمند اور باخدا لوگ نہیں کر سکتے۔

حقیقت یہ ہے کہ حکیم الامت مولانا شاہ ولی اللہؒ اور ان کے نسبی و روحانی خانوادہ کا ایک ایک فرد مجسم ولایت اور جنید وقت ہے۔ اور انہی لوگوں کے دم قدم سے آج یہاں رونق مسلمانی نظر آرہی ہے۔ لیکن انگریز سے نفرت اور جذبہ جہاد کے فریب خوردہ الٹی تعبیر کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس لفظ کا شانِ ورود کیا ہے اور اسے کس طرح امپورٹ کیا گیا۔؟ یہ دلچسپ داستان ملاحظہ فرمائیں۔

نجد میں محمد بن عبدالوہاب نامی ایک صاحب گذرے ہیں۔ جن کی متشددانہ طبیعت نے بعض ایسے امور ان سے سرزد کرائے کہ عالم اسلام میں ہیجان بپا ہو گیا۔ انگریز نے یہ دیکھا تو پروپیگنڈے کا ہتھیار ہاتھ لگ گیا اب جسے بدنام کرانے کی سوجھی، اس پر یہ فتویٰ سرکاری دارالافتاء سے داغ دیا گیا۔ حالانکہ اولاً تو لفظ وہابی خود اسکی جماعت پر غلط ہے کہ اس کا نام محمد ہے عبدالوہاب نہیں، وہ باپ ہے، اس کا کیا قصور۔۔۔؟

ثانیاً محدث دہلوی کا خانوادہ (نسبی و روحانی) اس گروہ کے متعلق کبھی خوش فہم نظر نہ آیا، ایک آدھ بزرگ کا استثناء ممکن ہے مل جائے، لیکن جماعتی حیثیت سے ہمارا دعویٰ درست ہے اس لئے یہ جوڑ بلاوجہ ہے۔

ثالثاً یہ کہنا کہ سید احمد صاحبؒ وغیرہ ان سے ملے یا متاثر ہوئے وغیر ذالک (جیسا کہ آئیگا) یہ قطعاً غلط ہے، کیونکہ محمد بن عبدالوہاب ۱۷۰۳ء میں پیدا ہوا، حصول علم کے بعد نجد کا ایک امیر

محمد بن سعود اس کے حلقہ میں شامل ہوا جس نے بعد میں ترقی بھی کر لی اس کے بعد اس کا لڑکا عبد العزیز جانشین ہوا، اسی اثنا میں محمد بن عبد الوہاب دنیا سے رخصت ہو گیا۔ (۱۷۹۲ء) عبد العزیز کے بعد اس کا لڑکا سعود ۱۸۱۴ء تک حکمران رہا بعد ازاں اس کا لڑکا عبد اللہ حاکم بنا، حتیٰ کہ چار سال بعد ۱۷ دسمبر ۱۸۱۸ء کو نہ صرف یہ سلطنت ختم ہوئی بلکہ اس خاندان کا ایک ایک فرد موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اور بقول ہنڈ یہ عظیم الشان سلطنت جس معجزانہ طور پر منصہ شہود پر آئی تھی اسی معجزانہ طور پر ریت کے صحرائی ٹیلوں کیطرح غائب ہو گئی۔ (ہندوستانی مسلمان)

سلطنت نجد ۱۸۱۸ء میں ختم ہوئی سید صاحب ۲۳-۱۸۲۲ء میں مکہ معظمہ گئے، جیسا کہ ہنٹر کو بھی اعتراف ہے۔ (ص۵۶) تو چار پانچ سال بعد اس تحریک (نجدی تحریک) سے کیسے متاثر ہوئے اور کیونکر عظیم سلطنت کے خواب دیکھے ۔۔۔ ؟ دیکھیں انگریزوں کی عبارتیں اور پھر پڑھیں ۔۔۔۔۔ ؎ دروغ گو را حافظہ نہ باشد۔ ہنٹر لکھتا ہے : ۲۳-۱۸۲۲ء میں امام صاحب (سید صاحب) کے مکہ تشریف لے جانے پر اس عام فہم اصلاحی عقیدہ کو وسعت دی گئی اور باقاعدہ طور پر ترتیب دیا گیا، انہوں نے اس مقدس شہر میں ایک اصلاحی تحریک کا آغاز دیکھا جس کا بانی صحرا کا ایک بدو تھا اور جو ان کے عقائد کے مطابق تھا۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان ص۵۶) آخری جملہ جو ان کے عقائد کے مطابق تھا کس قدر غلط ہے کہ اس کے بیان کی چنداں ضرورت نہیں، کیونکہ شاہ ولی اللہؒ اور نجدیوں کے نظریات کے بعد المشرقین سے اہل علم واقف ہیں۔ بانی تحریک کا بانی ۱۷۹۲ء میں دنیا سے رخصت ہو چکا ہے اسکی حکومت ۱۸۱۸ء میں برباد ہو گئی، لیکن بقول ہنٹر تحریک کا آغاز تھا کب ۲۳-۱۸۲۲ء میں ۔۔۔ ؟ ؎ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے۔

اس سے زیادہ مؤرخانہ ژرف نگاہی ملاحظہ فرمائیں :

"ان کے نوالوں نے ایک آتشیں وجد کا جامہ پہن لیا اور وہ دیکھنے لگے کہ ہندوستان کے طول وعرض میں ہر ضلع میں ہلالی پرچم گاڑ رہے ہیں۔ ان کی تعلیمات میں جتنی غیر مبہم باتیں تھیں انہوں نے اسی قسم کی ٹھوس صورت اختیار کر لی جس کی وجہ سے عبد الوہاب (یا محمد بن عبد الوہاب) نے عرب میں ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر لی تھی اور سید احمدؒ کو یقین تھا کہ یہ اصول انہیں ہندوستان میں اس سے بھی زیادہ مضبوط سلطنت قائم کرنے میں مدد دیں گے۔"

جو سلطنت بقول ہنٹر ۱۸۱۸ء میں ریت کے صحرائی ٹیلوں کیطرح دب گئی تھی وہ ۲۳-۱۸۲۲ء میں بھی عظیم الشان ہے۔ ؎ دروغ گو را حافظہ نہ باشد۔ سچ کہا گیا ہے۔

ایک قدم اور آگے چلیں اور دیکھیں کہ ہنٹر صاحب کیسے کڑیاں ملاتے ہیں:

"نیز تحریک کو منظم کرنے اور جہاد کا جذبہ مجاہدین میں اس وقت پیدا ہوا جب وہ (سید احمدؒ) حج کرنے گئے اور وہاں (مکہ میں) انہوں نے نجدیوں کے وہابیوں (محمدیوں) سے ملاقاتیں کر کے ان کے پیغام اور تعلیمات کو سمجھا اور ان سے سازباز کی۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان)

اے کاش! ہنٹر صاحب بتاتے کہ یہ ملاقات کہاں ہوئی، عالم ارواح میں یا کسی دوسری جگہ؟ اور رہ گئی سازباز تو ہنٹر صاحب کیلئے یہ الزام معمولی ہے، پوری کتاب ان مجاہدین اسلام کے خلاف یاوہ گوئی سے بھری ہوئی ہے یہ کہہ لیا تو کیا ہوا ---؟ پھر سازباز کس سے کی ---؟ جن کے خاندان کا بچہ بچہ تہہ تیغ ہو چکا تھا۔ ان سے ---؟ خاص طور پر نوجوان پود سے میری گذارش ہے کہ خدارا تضاد بیانیوں کو دیکھیں اور ذرا سوچیں کہ یہی تحقیق و ریسرچ ہے ---؟ یہی دیانت و صداقت ہے ---؟ جس کا مظاہرہ ہنٹر کر رہا ہے۔

الغرض سید صاحبؒ اور ان کی پارٹی کا کسی طرح بھی نجدیوں (وہابیوں یا محمدیوں) سے کوئی تعلق نہیں اور امید ہے کہ یہ مختصر تحریر حقائق کو سمجھنے میں مدد دے گی۔ رہ گیا تعصب اور ضد، اس کا علاج ہمارے پاس کوئی نہیں۔ اور متعصبین و ہٹ دھرم حضرات کی آنکھیں روز محشر ہی کو کھلیں گی۔ بطور تکملہ اتنی بات عرض کر دوں کہ مرزا حیرت دہلوی (مصنف حیات طیبہ سوانح شاہ محمد اسمٰعیلؒ) اپنی ذہنی ساخت کے سبب نجدیوں سے زیادہ قریب ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ اس چیز کو تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ اس میں رائی بھر صداقت نہیں۔ (دیکھیں حیات طیبہ)

وہابی اور غدار مترادف الفاظ ہیں۔ لکھنے والے ہنٹر کا ایک اور حوالہ سنیں پھر بحث ختم۔

— ایک وہابی کے سامنے ایک ہی چیز ہے، اور وہ یہ کہ دین محمدیہ کی تطہیر کا عظیم الشان کام سرانجام دیا جائے اس راستے پر گامزن ہوتے ہوئے وہ نہ کسی سے ڈرتا ہے اور نہ کسی پر رحم کھاتا ہے۔

(ہمارے ہندوستانی مسلمان)

گویا بقول ہنٹر وہابی انگریز کا غدار اور دین محمدی کا خادم ہے۔ اگر یہ تعریف درست ہے تو پھر اس خانوادہ مقدس کو اس پر فخر ہے۔ اور اگر وہ تعریف ہے جو ہنٹر کی معنوی اولاد کہتی ہے یعنی دشمن رسول (جیسا کہ ٹیپو شہیدؒ کے ضمن میں گذرا) تو ہم اس سے بری ہیں۔ اور اس کے بعد بے دلیل جھک مارنے والے اللہ کے یہاں اپنا انجام سوچ لیں۔ فَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۔

——— (باقی آئندہ) ———

اس دنیا میں جو بھی آیا وہ بلاشبہ جانے ہی کیلئے آیا۔ مگر کسی کسی کا جانا کس قدر الم انگیز بلکہ روح فرسا ہوتا ہے۔ ابھی کچھ ہی عرصہ کی بات ہے کہ شیخ الشیوخ حضرت مولانا عبدالغفور العباسی مہاجر مدنی کا نام لیتے ہوئے دل میں ایک سرور اور روح میں تازگی کی کیفیت محسوس ہوتی تھی اور دل کو بڑی ہمت اس بات سے حاصل رہتی تھی کہ اس دور ظلمانی میں ایک ہستی تو ایسی ہے جس کا دماغ علوم ربانی سے روشن اور جس کا دل معرفت الٰہی کا مخزن اور جس کا خلق اخلاق نبویہ کا عکس لئے ہوئے ہے جس کو جوار نبوی میں قیام کی سعادت ہی حاصل نہیں بلکہ وہ اس مرکز روحانی میں بیٹھ کر اکناف عالم میں توحید اور اتباع سنت کے انوار کی ضیاباری کی سعادت پا رہا ہے۔ ہم نام نہاد اسلاف کے طریق پر چلنے والوں کو بڑی تقویت انکی ذات سے حاصل تھی کہ اگر کوئی پوچھے کہ اسلاف کا کوئی نمونہ تمہارے پاس اس وقت بھی موجود ہے تو بلا تامل ہم نشاندہی ان کی طرف کر سکتے تھے اور اور اس یقین کے ساتھ کہ ان کو دیکھ کر کوئی شخص ہمارے دعوے کو جھٹلا نہ سکے، مگر افسوس کہ وہ رحلت فرما گئے، اور ان کے جانے سے روحانی عالم میں سناٹا سا چھا گیا ہے۔ اہل باطن کے دل پژمردہ سے ہو گئے۔

راقم عاجز کو اپنی عمر کے اعتبار سے بڑے بڑے بزرگوں کی زیارت کا شرف حاصل ہے اور مختلف سلاسل وطرق کے اہل کمال کی زیارت کا موقع ملا ہے مگر "وسعت فیض" کے اعتبار سے حضرت مولانا ممدوح کی نظیر نہیں دیکھی اور نہ اس دور میں کسی نے بھی دیکھی ہوگی، ان کا فیض کل بلاد اسلامیہ میں پھیلا ہوا تھا اور پاکستان جو ان کا پہلے ہی سے وطن تھا، انکی توجہ کا خاص مرکز تھا، وہ فیض رسانی

میں بڑے حریص تھے اور اس کا برملا اظہار بھی فرماتے تھے، سفر و حضر میں اخذ بیعت کا سلسلہ جاری رہتا تھا، ایک مرتبہ راقم حقیر نے عرض کی کہ "حضرت دوران سفر ایسے لوگوں کو بیعت فرماتے ہیں جن سے ملنے کی دوبارہ توقع تک نہیں ہوتی، ایسی بیعت سمجھ میں نہیں آتی۔" —— فرمایا: میرا یہ عقیدہ ہے کہ ہادیٔ مطلق اللہ تعالیٰ ہیں، اور وہی رہبری فرماتے ہیں۔ میں تو صرف بیعت توبہ کراتا ہوں کہ اس وقت کیلئے تو وہ شخص تائب ہوگیا، اب خواہ مجھ سے نہ ملے مگر اللہ تعالیٰ اس کے لئے کسی اور کو ہدایت کا سبب بنا دیں گے۔

ایک اور موقع پر فرمایا:

"یہ جو سینکڑوں ہزاروں مرید ہوجاتے ہیں، یہ سب طالب طرق تھوڑے ہیں ان میں سے صرف اکا دکا سچا طالب نکل آتا ہے، باقی یہ بھی غنیمت ہے کہ یہ لوگ فرائض کے پابند ہوجاتے ہیں، ڈاڑھیاں چھوڑ لیتے ہیں۔"

حضرت مولانا اللہ کے بڑے محبوب تھے، اور محبوبیت کا اثر ان کی ایک ایک ادا سے اور ان کے قال اور حال سب سے نمایاں تھا، وہ جہاں بیٹھتے شمع محفل نظر آتے، ان کی باتیں دل میں اترتی تھیں، ان کے چہرۂ پرنور کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا۔ اور ان کی صحبت میں بیٹھ کر دل کا رُخ اسفل سے اعلیٰ کیطرف، دنیا سے آخرت کی سمت ہوجاتا تھا، اور حوصلہ اتنا بلند ہوجاتا کہ مقصد تمنا ذات حق بن جاتی تھی۔

حضرت مولانا سلوک نقشبندیہ کے واسطہ سے اس مقام رفیع پر پہنچے تھے اس لئے نقشبندیت کے ساتھ ان کی معنویت کا تعلق ناگزیر تھا، اور اسی نسبت سے انکا شہرہ لازمی تھا۔ مگر ایسے مرتبۂ کمال پر پہنچ کر کوئی بھی ہو فرقِ سلاسل سے بالاتر اور جامع طرق بن جاتا ہے، حضرت مولانا طریق نقشبندی تھا۔ مگر ان کا سینہ سوز چشتیہ کا بھی مجمر سوزاں تھا، ایک مرتبہ اسی کراچی میں ایک عالم بزرگ نے الاکل شیئٍ ما خلا اللہ باطل کا مصرعہ پڑھ دیا خود ہی اور اسکی کچھ توضیح بھی کی تو پھر حضرت کی طبیعت جوش زن ہوگئی اور اس پر جو اضافہ فرمایا وہ اس قدر پرسوز اور صحیح "وجودی" رنگ کا تھا کہ جس نے یہ ساز چھیڑا تھا، وہ خود بھی وجد میں آگیا اور جہاں تک احقر کو یاد ہے، اسی بات پر وہ حضرت سے بیعت بھی ہوگئے۔

ہر بزرگ کو اپنے اکابر میں سے کسی نہ کسی بزرگ سے خصوصی تعلق ہو جاتا ہے، احقر کو خوب معلوم ہے، اور حضرت کی زبانی بھی تصدیق حاصل کی ہے کہ ان کو امام شعرانی سے گہرا ربط

ذہنی و روحانی حاصل تھا، اور جاننے والے جانتے ہیں کہ امام شعرانی طریقت میں کس ذوق کے بزرگ تھے۔

معاصر بزرگوں میں وہ حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ کے بے حد معترف تھے، گو مولانا کو ان کی زیارت کا موقع نہیں ملا تھا، احقر سے اور حضرت محترم ڈاکٹر عبدالحی صاحب مدظلہ (خلیفہ حضرت تھانوی قدس سرہ) سے فرمایا کہ ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے خاص طور پر حضرت کی ملاقات کیلئے تھانہ بھون کا سفر کیا تھا، وہ اس صدی کے مجدد تھے۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کے ایک اور خلیفہ حاجی شفیع الدین صاحب نگینوی مہاجر مکی ؒ کی زیارت مولانا نے مکہ معظمہ میں کی تھی، احقر سے فرمایا کہ: حاجی شفیع الدین صاحب کی شخصیت اس قدر نورانی تھی اگر میں اپنے شیخ سے بیعت نہ ہوتا تو انہیں سے بیعت ہوتا۔ اور فرمایا کہ: انہوں نے میرے حال پر بڑی شفقت فرمائی، اور مکہ معظمہ میں میں نے دو خواب دیکھے ـــــ ایک تو یہ کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب ؒ کا حلقۂ درسِ حدیث ہے، میں بھی اس میں شریک ہوں، ختم درس پر حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ آؤ میرے ساتھ طواف کرو، چنانچہ میں نے خانہ کعبہ کا طواف حضرت مولانا کیساتھ کیا اور اس میں عجیب کیف ملا۔

دوسرا خواب یہ دیکھا کہ ایک بہت بلند پہاڑ پر چڑھ کر جب میں اوپر پہنچا تو وہاں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب ؒ لیٹے ہوئے تھے، میں نے حضرت کے پاؤں دبانے شروع کئے، ایسے میں دیکھا کہ آسمان سے دو طشتریوں میں حلوہ اترا، ایک میرے لئے اور ایک حضرت کیلئے، میں نے حضرت سے درخواست کی کہ حضرت کو حلوہ میں کھلاؤں گا، چنانچہ میں نے ہی کھلایا۔۔۔۔ آنکھ کھلنے پر تعبیر ذہن میں یہ آئی کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے سلسلہ کی خدمت کچھ مجھ سے بھی ہوگی، اور یہ کہ مجھے ان اکابر کے فیوض سے بھی حصہ ملا ہے"

خیر یہ سب باتیں تو ان کی یاد کے ساتھ یاد آگئیں، ورنہ ارادہ تو یہی تھا، اور جی بھی یہی چاہتا ہے کہ ان کے تمام کمالات میں سب سے زیادہ اہمیت ان کے "خلق کریمانہ" ہی کو دی جائے۔ اور اسی کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے، کیونکہ اسی کا قحط عوام ہی میں نہیں بلکہ خواص تک میں آج عام ہے، حضرت مولانا نہایت کریم النفس، فیاض دل، کشادہ دست، ایثار پیشہ انسان تھے، ان کا دستر خوان نہایت وسیع تھا، حج کے زمانہ میں دیکھا کہ زائرین مدینہ طیبہ کی ضیافت وہ اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے، ان دنوں میں پچھتر اور سو ریال تک کا سودا روزانہ مولانا کے ہاں

آتا اور عام و خاص زائرین مدعو رہتے تھے ---- اہل حاجت کی امداد اور خدام کی خدمت کا صلہ بصورت نقد جو ادا فرماتے وہ اس سے الگ تھا، اس داد و دہش اور پُر تکلف دستر خوان کو دیکھ کر لوگوں کو گمان ہوتا کہ ان کی زندگی امیرانہ رنگ کی ہے، مگر ہم نے قریب سے دیکھا ہے کہ سب کچھ مہمانوں کی خاطر تھا۔ اپنی اور اہل خانہ کیلئے نہایت فقیرانہ زندگی پسند فرما رکھی تھی۔ مدینہ طیبہ کے پودینہ سے روٹی کا ٹکڑا کھالیا تو ناشتہ ہو گیا، معمولی سے شوربے یا دال کے ساتھ روٹی کھالی تو یہ گویا خاصہ تناول فرمالیا جسکو روحانی لذتیں حاصل تھیں وہ مادی لذتوں کا محتاج کب رہ گیا تھا ---- ؟ دو تین بار یہ بات حضرت مولانا کی زبانی سنی کہ ہجرت مدینہ طیبہ کے ابتدائی زمانہ میں بڑی تنگدستی رہی یہاں تک کہ فاقہ کشی کا وقت آگیا، بہت سوچا کہ کیا کیا جائے آخر میں خیال یہی آیا کہ جو کچھ تھوڑا بہت اسباب ہے، وہ بھی فقرائے مدینہ پاک میں تقسیم کر دیا جائے، چنانچہ سب تقسیم کر دیا، وہ دن تھا کہ پھر آخر حیات تک تنگی محسوس نہیں ہوئی، بلکہ روپیہ دریا نے رواں کیطرح آتا اور جاتا رہا۔

حضرت مولانا پیکر الفت و محبت تھے، جو ان کے قریب ہوا اس کے سارے متعلقین سے مولانا کو الفت ہو جاتی تھی اور ہر ایک کی خیر خیریت دریافت فرماتے رہتے اور ان کو اپنی شفقتوں سے اور ہدایا سے نوازتے رہتے تھے، ان کی خوشی سے خوش ہوتے اور ان کے غم والم سے محزون ہو جاتے تھے، اور یہ تعلق امارت و فقیری کی بنیاد پہ نہیں تھا، بلکہ محض دل کے رابطہ و تعلق کی بنا پر تھا۔

حضرت کے دوران قیام کراچی (آج سے تقریباً ۸ برس پہلے) احقر کے والد ماجد مدظلہٗ پاؤں کے حادثہ کا شکار ہو کر فریش ہو گئے، حضرت کو اطلاع ہوئی تو دو مرتبہ حضرت نے از خود بلا اطلاع غریب خانہ کو رونق بخشی اور بیمار کو اپنی اس کرم ارزانی سے توانا کر دیا ---- یہ ان کے کرم عام کا نمونہ تھا۔

حضرت کی زبان غیبت سے اور انکی نگاہ عیب جوئی سے تو محفوظ تھی ہی، مگر ان کی مجلس میں بھی کسی کی مجال نہ تھی کہ اس قسم کی کوئی بات کر سکتا، بلکہ جو لوگ ان کی برائی کرتے تھے ان کا ذکر بھی وہ خیر ہی سے فرمایا کرتے تھے، یا پھر خاموش ہو جاتے، یہ معمولی بات نہیں، البتہ اکابر کی شان میں گستاخی ان کیلئے ناقابل برداشت ہو جاتی تھی ---- ایک مرتبہ احقر ڈاکٹر عبدالحی صاحب مدظلہٗ کے ہمراہ حاضر خدمت تھا، ذکر کچھ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کا آگیا تو ڈاکٹر صاحب سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ حضرت (تھانویؒ) سے میرے تعلق کا اندازہ اس سے لگائیں

کہ دہلی میں ایک مرتبہ ہمارے سلسلہ کے کچھ لوگ جمع تھے، ان میں سے کسی نے حضرت کی شان میں سوئے ادب کا کوئی کلمہ اپنی زبان سے نکالا تو میں فوراً اس مجلس سے اٹھ کر چلا گیا، یہ لوگ حیران رہ گئے اور سبب نہ سمجھ سکے، جب میرے پاس آئے اور وجہ پوچھی تو میں نے عرض کیا کہ میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب کو اولیائے عصر میں سے مانتا ہوں اور اس مجلس میں قطعاً شرکت نہیں کر سکتا جہاں اولیاء کا آداب ملحوظ نہ رہے، میں اس وقت تک آپ کی مجلس میں شامل نہ ہوں گا، جب تک آپ لوگ اپنی حرکت سے تائب نہ ہو جائیں، چنانچہ سب نادم و تائب ہوئے"۔ یہ معمولی تعلق نہیں ہے۔ احقر کی موجودگی میں ایک مرتبہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ کے ایک معتقد نے حضرت مدنیؒ کی بابت شیخ کی رائے پوچھی، فرمایا: "میں حضرت مدنیؒ سے متعلق کیا عرض کر سکتا ہوں جبکہ میرے شیخ حضرت فضل علی قریشیؒ یوں فرماتے تھے کہ میں ان کے چہرہ کو دیکھنا عبادت سمجھتا ہوں"۔

حضرت مولانا کے دل میں سادات اور علماء ربانی کا خاص مقام تھا، وہ ان حضرات کے لئے سروقامت کھڑے ہو جاتے، آگے بڑھ کر ان کا استقبال کرتے اور باوجود ضعف کے سواری تک پہنچ کر ان کو بٹھلاتے اور رخصت کر کے پھر لوٹتے، اور یہ سب تمام اخلاص کے ساتھ تھا۔ حضرت مولانا جب اوّل اوّل کراچی تشریف لائے ہیں تو ان میں بڑا جذبہ دیوبندیت اور بریلویت کی خلیج کو پاٹ دینے کا تھا، اور اس کا اظہار وہ ہر مناسب موقع پر بڑی دلسوزی سے کرتے رہے مگر اس میں ان کو بریلوی حضرات سے بڑی مایوسی اٹھانی پڑی اور دو ایک دفعہ کی پاکستان آمد اور کوشش کے بعد پھر انہوں نے اس طرف سے توجہ ہٹالی اور اچھا ہوا کہ جلد یکسوئی فرمالی ورنہ وہی ہوتا جس خدشہ کو صاحب نظر حضرت مولانا محمد الیاس قدس سرہ نے تاڑ لیا تھا اور مجتنب رہے تھے، حضرت مولانا الیاسؒ کا قول مشہور ہے کہ "میں تو بریلوی حضرات کے بھی قدم پکڑ لیتا مگر نفع کی کوئی امید نظر نہیں آتی، اپنے یہ سمجھیں گے کہ یہ بریلویت کی طرف جھک گیا، اور وہ یہ کہیں گے کہ یہ تو دیوبندی ہی ہے، ہم کو دھوکا دے رہا ہے"۔

برادر مکرم مولانا سمیع الحق صاحب زاد لطفہ، نے فرمائش کی کہ حضرت مولانا عبدالغفور صاحب قدس سرہ پر کچھ لکھ بھیجوں، نامۂ محبت پڑھتے ہی قلم اٹھا کر جو کچھ بن پڑا حاضر کر دیا ورنہ ابھی اپنی حالت ایسی نہیں کہ سلیقہ سے حضرت پر کچھ لکھا جائے اور اسکی دو وجوہ ہیں، ایک غم کا اثر اور دوسرے وہی بات جو جگر مرحوم نے کہی تھی ؎

میں کامیاب دید بھی ناکام دید بھی جلوؤں کے ازدحام نے حیراں بنا دیا

ڈاکٹر غلام صابر عباسی ۔ کراچی

کلمہ طیبہ کی روشنی میں

وحدت و امامت

توحید | بد قسمتی سے آجکل مسلمانوں کا عام میلان وسعت کی بجائے محدودیت کیطرف ہے۔ ان کا ہر گروہ اس کلمہ کے کسی محدود معنی پر نظر جمائے بیٹھا ہے۔ وسیع مفہوم کیلئے یا تو ان کے ذہن ہی تنگ ہیں یا ہمت قاصر ہے۔ اور اس کے نتائج سے یہ لرزہ براندام ہیں۔ لا کو آپ نفی کہدیں یا "تخریب" اور الا کو اثبات کہیں یا "تعمیر" مدعا ایک ہے۔ الا اللہ اس بات کا اعلان ہے کہ دنیا میں کوئی چیز قابل تسلیم لائق اطاعت اور مستحق تقلید نہیں ہے۔ وہ تمام مختلف نظام جہل انسانی کے تراشے ہوئے ہیں جو کہ غلط ہیں۔ آپ کو انہیں مٹانا ہے اور ان کی تخریب کرنی ہے، اب جو فرد لا پر عمل کرنے لگا، سمجھ لیجئے کہ اس نے راہ توحید میں پہلا قدم اٹھا لیا۔

دنیا کی جو قومیں محض لا الٰہ کے پھیر میں پڑی ہوئی ہیں، اگر وہ الا اللہ (اسلام) پر بھی عامل ہو جائیں تو کیا اس جہان پیر کی تقدیر بدل نہیں سکتی۔؟ یہ الا ان کو ایک ایسی لڑی میں پرو کے کہ ان کی باہمی تخریب ان کی تہذیبی، تمدنی، معاشی، نسلی، قومی، سیاسی، طبقاتی نزاعیں ان کی خودکشی کی کوشش سب ختم ہو جائیں۔ ان کی ہوس ناکیاں، ملک گیری، مکاریاں یا ریاکاریاں، منافقتیں سرے سے مٹ جائیں۔ ان کے علاوہ جاہل پیروں، ملاؤں، ذاکروں، مجتہدوں، رئیسوں اور نوابوں کی تعداد ہے۔ جو لوگوں کو اپنے آگے جھکواتے ہیں اور انکی جہالت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے حلقہ اثر میں خدائی کا کھلا یا چھپا اعلان کر رہے ہیں۔ آخر کیوں لوگ کلمہ تعین کے معنی نہیں جانتے یہی کلمہ جو مالک اور حاکم کو متعین کرتا ہے۔ خدا کی یہ شان ہے کہ اس کے آگے کوئی فرمانروا نہیں، تو انسان کی بھی یہ شان ہے کہ اس کا سر تسلیم خدا کے سوا کسی بناوٹی فرمانروا کے آگے جھک نہیں سکتا۔ گردن صرف

تیرے ہی آگے جھک سکتی ہے، اگر دنیا کی ساری طاقتیں بھی اسکو جھکانا چاہیں تو یہ ختم نہ ہوگی۔ اللہ کی اطاعت غیر اللہ سے بغاوت کا دوسرا نام ہے، جس نے اللہ کو پہچان لیا اس نے اپنی حیثیت کو بھی پہچان لیا، اب عوام کو چھوڑ کر خواندہ حضرات کی طرف آئیے، ان میں سے بعض تو اشتراکیت کو دنیا کی نجات کا ذریعہ سمجھ کر اسلام سے مایوس ہو رہے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں جو وطنیت کے جذبے میں سرشار پکار پکار کہتے ہیں کہ ہم مسلمان نہیں بلکہ پاکستانی ہیں۔ ان کا دین بھی وطن اور خدا بھی وطن ہے

تہذیب کہ آذر نے ترشوائے صنم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

جو اس خدا کی پرستش سے بچے وہ "قومیت" کے فریب میں الجھ گئے، ان سب کا مشترک بتکدہ مغربیت ہے جسمیں بیشمار بت رکھے ہوئے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک اس کے بتوں میں سے کسی نہ کسی کے آگے سر بسجود ہے، بعض کیلئے سب سے بڑا خدا انگریز اور امریکہ ہے جس کے سامنے ساری دنیا کے بندوں اور پرستاروں کا جمگھٹا لگا ہوا ہے، اور اس میں عالم، جاہل اور سربراہ حکومت بھی شامل ہیں۔

جب ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، تو اسکا مطلب صرف یہ نہیں ہوتا کہ اس کے سوا کوئی مسجود معبود نہیں ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں جس کے حکم کو بے چون وچرا مان لیا جائے۔ اس کے سوا کوئی نہیں جس کے قانون کو قانون تسلیم کیا جائے، اس کے سوا کوئی نہیں جسکو انسان اپنے سے بالاتر سمجھے اور جس کے آگے ذلت، غلامی، نیازمندی اور محکومی اختیار کرے۔ اس کے سوا کوئی نہیں جو حکمت و دانائی کا منبع ہو اور جسکو حقیقت وصداقت کے علم کا آخری ماخذ سمجھا جا سکے۔ تمام اطاعتیں اسکی اطاعت کے ماتحت ہیں۔ جو اسکی اطاعت سے آزاد ہے ہم اسکی اطاعت سے آزاد ہیں۔ یہ سب اللہ کو الٰہ واحد تسلیم کرنے کے لوازم ہیں، جو شخص ان میں سے کسی حیثیت سے بھی اللہ کو الٰہ تسلیم نہیں کرتا وہ دہریہ ہے اور جو بعض حیثیتوں سے اس کو الٰہ مانتا ہے، اور بعض حیثیتوں میں دوسروں کو اس کا شریک یا حصہ دار بناتا ہے، وہ شرک کا مرتکب ہے۔ صرف غیر کو سجدہ کرنا یا غیر سے دعا مانگنا یا غیر کے آگے نذر و نیاز پیش کرنا ہی شرک نہیں

ہے بلکہ شرک کی اور بھی بہت سی اقسام ہیں۔ جب کسی کو اپنی جان و مال کا مالک سمجھنے لگیں، تو شرک کریں گے، جب کسی کو آمر و ناہی سمجھیں گے تو شرک۔ جب اللہ کے سوا کسی دوسرے سے رجوع کریں گے یا کسی کو ہدایت و حکمت و دانش کا ماخذ سمجھیں گے تو دراصل اسے خدا مانیں گے۔ جب کسی جماعت یا پارلیمنٹ یا فرد واحد کو قانون بنانے کا مختار سمجھیں گے، یا کسی کی اس حیثیت کو تسلیم کریں گے، اس کی رضا سے قانون بنتا ہے تو دراصل اسے خدا تسلیم کریں گے۔ غرضیکہ شرک کے حدود اتنے تنگ نہیں ہیں جتنے لوگوں نے سمجھ رکھے ہیں، اور توحید الٰہ کی وسعت اتنی محدود نہیں ہے جتنی عام طور پر مسلمانوں کے گمان میں ہے۔ بلکہ دراصل اس کے حدود بہت وسیع ہیں۔ زندگی میں ہر ہر قدم پر ہمارے سامنے یہ سوال آتا ہے کہ ہم اللہ کو الٰہ مانتے ہیں، یا کسی اور کو ان تمام حالات پر ہر ایک کی الٰہیت سے انکار اور صرف خدا کی الٰہیت کا اعتقادی اور عملی اقرار توحید ہے، اور جہاں کسی رنگ میں بھی کسی دوسرے کی الٰہیت مان لی وہیں شرک ہو گیا۔ یہی چیز ہے جسکی وجہ سے مسلمان ہونا دنیا میں سب سے مشکل کام ہے۔ ورنہ بات صرف اتنی ہوتی کہ کسی اور کو سجدہ نہ کرو یا دعا نہ مانگو تو کوئی بڑی بات نہ تھی ۔

یہ شہادت گاہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

امامت | اب یہ رہا سوال کہ خدا کی اطاعت اور اس کے قانون کی پیروی کس طرح کی جائے، اس معاملے میں ہم آزاد نہیں ہیں۔ کہ جس چیز کو چاہیں خدائی حکم اور قانون ٹھہرا لیں اور اسکی پیروی کریں۔ بلکہ اس علم کا ذریعہ صرف محمدؐ کی ذات ہے۔ اسی لئے محمد الرسول اللہ "کلمہ کا ضروری جز قرار دیا گیا ہے۔ گویا کلمہ نہ صرف وحدت الوہیت کا اعلان ہے بلکہ وحدت امامت کا بھی لا الٰہ الا اللہ وہ تمام انسان جو اس پر ایمان لائے ایک امت ہیں۔ اسطرح وحدت امت بھی اسی میں آگئی۔ کیونکہ امیر غریب سب ایک خدا کے بندے ہیں۔ اس لئے مساوات، اخوت، حریت، انسداد، پاپائیت، حرمت، ملوکیت غرض اسلام کے تمام اصول ان جامع الفاظ میں موجود ہیں۔ چونکہ لا الٰہ الا اللہ پر ایمان لاتے ہی آدمی پر ہر غیر الٰہی نظام کی تخریب اور اسکی جگہ ایک الٰہی نظام کی تعمیر لازمی ہو جاتی ہے۔ لہذا جہاد بھی اسی میں آگیا۔ پس اللہ کی خدائی پر ایمان درحقیقت اسی جگہ ہو گا جہاں قرآن کی حکومت ہو۔ جہاں شریعت محمدی کا قانون نافذ ہو۔ جہاں لوگوں کی زندگیاں احکام قرآنی کے مطابق بسر ہوتی ہوں، جہاں اللہ کے سوا کوئی کسی اور حیثیت سے بھی الٰہ نہ مانا

جاتا ہو، مگر جہاں یہ سب کچھ نہ ہو، قرآن کی بجائے ملک کی تعزیرات پر عمل ہو رہا ہو، جہاں محمد کی عدالت کی بجائے کسی بادشاہ یا کسی اور قسم کی حکومت اور عدالتیں قائم ہوں، جہاں کفر کی شریعت نافذ ہو وہاں یہ کہنا اے اللہ ہم تو تجھے ہی اپنا اصلی بادشاہ مانتے ہیں۔ تیرے ہی آگے جھکتے ہیں۔ تیری ہی حکومت تسلیم کرتے ہیں۔ کیا یہ جھوٹ اور دغا نہ ہوگا۔؟ اگر یقین کامل ہو کہ اللہ کے سوا حقیقت میں اس کا کوئی الٰہ نہیں ہے تو وہ تمام ایسی حکومتوں اور بادشاہوں سے جو غیر اللہ کی ہوں ٹکرا جائیگا۔ یا تو ان کو پاش پاش کر دے گا، یا خود فنا ہو جائیگا۔ غیر الٰہی نظام کو چلانے میں حصہ لینا اور پھر ان حرکتوں کے ساتھ اسلام اور اسلامی کلچر کی حمایت و حفاظت کے دعوے لیکر اٹھنا یہ ایسی بدترین منافقت ہے جسے گوارہ کرنے کی تاب کوئی مومن تو نہیں رکھ سکتا کلمہ محض ایک جملہ ہی نہیں بلکہ اعلان ہے۔ چیلنج ہے، دنیا والوں کیلئے تم نے جو سیاست معیشت تمدن اور معاشرت کے نظام احکام الٰہی کے خلاف کر رکھے ہیں۔ مسلمان ان سب کو توڑنا چاہتا ہے۔ صرف خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے۔ دیگر اماموں کی شریع کو ختم کرتا ہے۔ اب ہمیں کسی ازم (۱۵۶) یا اشتراکیت کی ضرورت نہیں رہی جو غیروں کی تعلیم مدنیت زبان تاریخ غرضیکہ ہر چیز سے مرعوب ہو چکے ہیں جسکی وجہ سے غیروں کی پناہ لیتے پھرتے ہیں ؎

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نا امیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

دنیا کو ہے پھر معرکہ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
اللہ کو پامردی مومن پہ بھروسہ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا
تقدیر امم کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا
مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارا

★

احکام و مسائل — ٹیلیویژن کے برے اثرات

مخدومی حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ ــــــ!

یہاں گھر گھر میں دل بہلانے کے لئے ٹیلیویژن نصب ہے جس کے پروگرام عموماً یہ ہیں کہ برہنہ یا نیم برہنہ لڑکیاں، رقص و سرود کرتی ہیں، گانا بجانا، بوس و کنار، دھینگا مشتی اور فحاشی کی اشاعت ہوتی ہے یا عیسائیت کا پرچار اور عالمی حسیناؤں کے انتخاب کے منظر اور مختلف فلمیں دکھائی جاتی ہیں۔ غیر محرم مرد و عورت اور خاندان کے افراد ماں بیٹیا بہن بھائی یکجا بیٹھ کر ان حیا سوز مناظر کو دیکھتے ہیں۔ تعلیم اور دنیاوی کاروبار سب کاموں میں اس سے رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے، رنگون کے ایک مفتی صاحب نے اسے جائز قرار دیا ہے آنجناب ہمیں اسکی شرعی حیثیت سے مطلع فرما دیں۔ ہم آپ کی تحریر کی کاپیاں سائیکلو سٹائل کر کے انگلینڈ میں آباد تمام مساجد میں فریم کر کے رکھ دیں گے تاکہ مسلمانوں کو انتباہ ہو سکے۔

(محمد اعظم کلیرنس سٹریٹ بولٹن یوکے)

جواب ـــــ ٹیلیویژن کے بارہ میں آپ کے خیالات بالکل صحیح ہیں، تصویر پرستی اور تصویر کشی حرام ہے پھر جبکہ ٹیلیویژن پر فحاشی اور عریانی کا غلبہ ہو تو اس کا نتیجہ سوائے بداخلاقی مادہ پرستی خدا فراموشی بے حیائی اور وقت ضائع کرنے کے اور کچھ ظاہر نہیں ہو سکتا۔ یورپی ممالک میں تو ایسی چیزوں کی ہلاکت آفرینی اور بھی زیادہ ہے۔ تصویر کشی غلط تاویلات سے جائز نہیں ہو سکتی اور نہ مرد و عورت کا نامحرم کیطرف دیکھنا خواہ آئینہ یا تصویر کی شکل میں ہو جائز ہو سکتا ہے۔ الغرض اس کے مفاسد اور قبائح یقینی ہیں، اس لئے تمام مسلمانوں کو اس لعنت سے احتراز کرنا ضروری ہے۔ یورپ میں رہنے والے مسلمانوں کی ذمہ داری تو بہت نازک ہے، ان میں سے ہر ایک کو اسلام کا چلتا پھرتا نمونہ اور مبلغ بننا چاہئے نہ کہ خود یورپی تہذیب میں ضم ہو کر اپنی حیثیت بھی ختم کر دی جائے۔ افسوس کہ یہ برائی ہمارے ملک میں بھی بہت تیزی سے پھیل رہی ہے۔ افراد خانہ اور بیوی بچوں کے اخلاق اور نفسیات پر اس کے جو قبیح اثرات پڑتے ہیں پوری قوم اس سے غفلت برتتی ہے ــــ نتیجہ عام خرابی اور وسیع بربادی کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ مگر اس وقت تدارک انتہائی مشکل ہوگا۔

مجانب

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

قارئین کے خطوط

ایڈیٹر کے نام

افکار و تاثرات
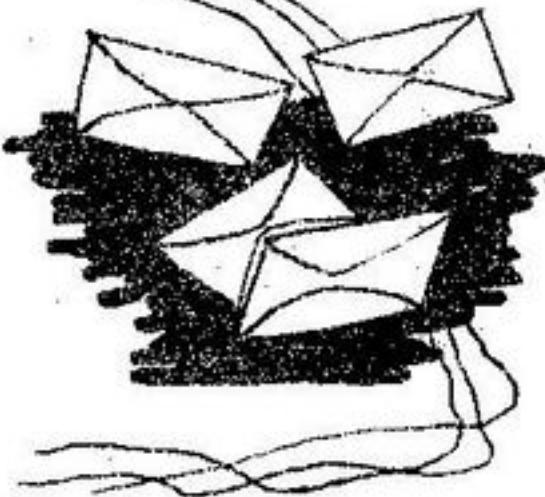
مفتیانِ کرام اور ماہرینِ فلکیات توجہ فرمائیں

علماء دین اور ماہرین علم ہیئت کے غور و فکر کیلئے ایک سوال درج ذیل ہے۔ امید ہے کہ متعلقہ حضرات پہلی فرصت میں اس پر توجہ فرمائیں گے اور اپنی تحقیق سے مطلع فرمائیں گے۔

پاکستان اور ہندوستان کی جتنی بھی جنتریاں آج تک بندہ کی نظر سے گذری ہیں، ان سب میں ابتدائے وقت عشاء، اور صبح صادق کا حساب لگانے میں آفتاب کو اٹھارہ درجہ افق سے نیچے لیا گیا ہے جسے ایسٹرونومیکل ٹوائیلائٹ کہا جاتا ہے۔ بندہ کے خیال میں یہ حساب غلط ہے، اس لئے کہ قدیم و جدید ماہرین فلکیات سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ ایسٹرونومیکل ٹوائیلائٹ کے وقت مکمل اندھیرا ہوتا ہے۔ جس میں چھوٹے سے چھوٹا ستارہ (پانچ میگنیٹیوڈ) بھی نظر آتا ہے۔ اور صبح کاذب بھی اس کے بعد شروع ہوتی ہے اور اہل ہیئت و کتب فقہ نے اسکی تصریح کی ہے کہ صبح صادق اور صبح کاذب میں تین درجات کا فرق ہے۔ نیز کتب ہیئت میں اسکی بھی تصریح ہے کہ غروب کے بعد آفتاب کے پندرہ درجہ قطع کرنے پر شفق ابیض مستطیر ختم ہوکر صبح کاذب کے مقابلہ میں جو شفق ابیض مستطیر پیدا ہوتی ہے وہ آنکھوں سے نظر نہیں آسکتی جس سے ثابت ہوا کہ جب آفتاب کی مدار دائرۃ الارتفاع سے متناسب ہو اس وقت صبح صادق جنتریوں میں دئے ہوئے وقت سے بارہ منٹ بعد میں اور عشاء بارہ منٹ پہلے ہوتی ہے۔ دوسرے حالات میں بارہ منٹ سے

بھی زیادہ فرق ہے۔ چنانچہ کراچی کے مختلف مواسم میں ۱۳ تا ۱۵ منٹ فرق ہے، اور مغربی پاکستان کے دوسرے شہروں میں اس سے بھی زیادہ۔ اس اختلاف کا عبادات پر اثر پڑنا لازمی ہے۔ چنانچہ رمضان المبارک میں شہر کی بہت سی مساجد میں جنتریوں میں دیئے ہوئے وقت سے صرف دس منٹ کے بعد جماعت قائم ہو جاتی ہے، اور اذانیں تو ہمیشہ ہی قبل از وقت ہوتی ہیں۔ مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر میں اسے بہت جلد دارالعلوم کراچی، مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی اور اشرف المدارس ناظم آباد کراچی کی مشترک مجلس تحقیق میں پیش کرنے والا ہوں، لہذا اگر کوئی صاحب اس بارہ میں مزید معلومات رکھتے ہوں یا انہیں تحقیق مذکور سے اختلاف ہو تو وہ بعجلت ممکنہ راقم الحروف کو مطلع فرمادیں تاکہ علماء کرام کی مجلس میں یہ آراء بھی زیر بحث آسکیں۔

رشید احمد عفی عنہ

مفتی اشرف المدارس ناظم آباد - کراچی

معاشی نظام کا زیر غور خاکہ اس پُر فتن دور میں ماہنامہ الحق جس جرأت اور بیباکی کے ساتھ ملک وملت کی خدمت انجام دے رہا ہے، شاید ہی کوئی دوسرا مجلہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ اس کو احیائے دین کی کوششوں کیلئے درخشندہ و پائندہ رکھے۔

اس شمارہ میں "ایک اسلامی مملکت کا معاشی نظام" کیلئے جو مسودہ مجلس علماء نے تیار کیا ہے۔ اسے دیکھ کر خوشی ہوئی۔ آپ کے توسط سے جمعیۃ العلماء اسلام کی مجلس علماء کی خدمت میں مجھے دو باتیں عرض کرنی ہیں جو مجھے مضمون کے مطالعہ سے پیش آئی ہیں۔ امید ہے وہ ان پر غور فرما کر بندہ کو مطمئن فرمائے گی۔

۱۔ رہن کے متعلق جو لکھا گیا ہے۔ "کہ اگر مرتہن نے انتفاع بالمرہون کی شرط لگائی ہو۔ یا المعروف کالمشروط کے طور پر اس سے انتفاع کر رہا ہو، وہ رہن فاسد ہے، لہذا زمین مرہون راہن کیطرف بلا توقف لوٹائی جائے گی" تو اب کفایہ شرح ہدایہ کی اس عبارت اما الرھن فلا یفسد بالشرط الفاسد لان تبرع کالھبۃ کا کیا معنی لیا جائے گا۔ کفایہ کے الفاظ تو مطلق ہیں، خواہ شرط راہن کی طرف سے ہو یا مرتہن کی طرف سے۔ نیز اگر مرتہن یہ انتفاع راہن کی اجازت سے کر رہا ہو، تو پھر کیا حکم ہے۔؟ حاشیہ شرح وقایہ پر ہے: قال فی المبسوط

ولیس للمرتھن ان ینتفع بالمرھون الا باذن الراھن فاذا اذن لہ جاز ان یفعل

ما اذن لہ فیہ ولو جعل من غیر اذن صار ضامنا بحکم الرھن وقالبضا للغصب وان ترك الاستعمال عاد لکونہ رھنا ولو استعملہ المرتھن باذن الراھن فان ھلك حالۃ الانتفاع لم یسقط من الدین شیٔ لانہ بالاذن صار مقبوضا بحکم العاریۃ وان خالف وھلك فی حال الاستعمال یضمن ضمان الغصب۔

۲۔ موات زمین کی تشریح ضرور ہونی چاہیئے، کہ آیا اس میں وہ زمین بھی آتی ہے جو کسی ذمّی یا مسلم کی مملوک ہونے کے باوجود بہت زمانے سے غیر آباد اور بنجر پڑی ہو، جیسا کہ ہمارے علاقوں میں ہے۔ یا کہ نہیں۔ ظاہر تو اوّل ہے، حدیث۔ من احیٰ ارضا میتا فھی لہ۔ نیز حضرت عروہؓ کی روایت جسکو ابو داؤد لایا ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضیٰ ان الارض ارض اللہ والعباد عباد اللہ ومن احیٰ مواتا فھو احق بہ وفی روایۃ من احاط حائطا علی ارض فھی لہ۔ اس پر مضبوط دلیل ہے اور ان احادیث سے مطلق موات زمین خواہ اس کا مالک ہو یا نہ ہو، ظاہراً معلوم ہوتا ہے اور چونکہ یہ مسئلہ وطن اور عام مسلمانوں کی منفعت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے اسکو عام رکھنا چاہیئے، خواہ موات زمین کا مالک ہو یا نہ ہو، ایک اسلامی حکومت کو حق حاصل ہے کہ وہ ایسی زمینوں کو دوسرے لوگوں کو دیدے کہ وہ ان کو آباد اور قابلِ کاشت بنائیں۔

محمد رحمت اللہ

تنگی نصرت زئی۔ محلہ ابراہیم خیل تحصیل چارسدہ ضلع پشاور

قصیدہ افغانی | مقام حیرت وتعجب کہ شمارہ ۸ ماہ صفر میں ایک قصیدہ بعنوان ــــ قصیدۃ الرضوانی فی بنی افغانی ــــ شائع ہوا ہے، جس میں جاہلی نظریۂ قومیت کا عنصر غالب ہے۔ خداوند قدوس نے انسانی فضیلت کا مدار تمام تر تقویٰ اور اخلاق وفضائل کو قرار دیا ہے، لیکن صاحب قصیدہ نے افغان قوم کی شرافت اور عزت وجاہت کا سبب شراب نوشی اور قتل وغارت وغیرہ جیسے افعال قبیحہ کو قرار دیا ہے، سوال یہ ہے کہ یہ قصیدہ کسی مسلم افغان قوم کی مدح کے لئے یا کہ کافر افغان قوم کے حق میں ہے؟ اگر ایسا ہے تو ایسی مدح سرائی کیلئے دینی رسائل کے صفحات ناموزوں ہیں، اگر آپ نے بحیثیت افغان ہونے کے اسکو شائع کیا ہے تو یہ قومیت کا جاہلی تصور ہے اور بحیثیت مدیر ہونے کے آپ پر فرض ہے کہ آئندہ شمارہ میں اسلامی نقطۂ نظر سے اسکی تردید فرمائیں، نقشِ آغاز میں آپ کے قلم کی جولانی زندقہ والحاد افزا نظریات کا کامیاب تعاقب اور

سیاست وقت پر ایک بے لاگ اور بصیرت افروز تبصرہ ہوتا ہے۔ خدائے قدوس آپ کو اعلاء کلمۃ الحق کی مزید توفیق سے نوازے۔

محمد عبد الحق
تاج گڑھ براستہ رحیم یار خاں

الحق | قصیدہ افغانی محض ادبی حیثیت اور اس خیال سے کہ اس سے کسی قوم کے غلط پندار اور قومی عصبیت پر روشنی پڑتی ہے شائع کیا گیا، اور عنوان کے علاوہ حاشیہ میں بھی وضاحت کر دی گئی کہ قصیدہ قومی عصبیت کا غماز اور شاعرانہ مبالغہ آرائی پر مبنی ہے، صرف عربی کیا ہر زبان کا ادب اس قسم کے مواد سے بھرا ہوا ہے جس سے کسی قوم کے خصائل اور خصوصیات پر روشنی پڑتی ہے۔ ہم اسے پڑھتے پڑھاتے ہیں لیکن اس سے مقصود نہ تو تائید ہوتی ہے نہ تردید بلکہ ہمارے نزدیک صفات حمیدہ حمیدہ ہیں اور مذموم مذموم، مدار فضیلت و شرافت صرف ایمان تقویٰ اور مکارم اخلاق ہیں، پھر بھی اگر شرعاً اس قصیدہ کی اشاعت موزوں نہ تھی تو حق تعالیٰ سے عفو اور آئندہ کے لئے راہنمائی کے طالب ہیں ـــــ ہم ہر صحیح تنقید اور مشورہ پر قارئین کے شکر گذار ہونگے۔

ایک صالح مدنی خاتونؒ کی وفات | مولانا قاری محمد امین صاحب جامع عثمانیہ ورکشاپی راولپنڈی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ مدینہ طیبہ کی ایک نہایت دیندار صالح مہاجر خاتون اہلیہ جناب شیخ محمد اسماعیل صاحب جالندھری کا پچھلے دنوں انتقال ہوا، بقیع مبارک میں تدفین عمر بھر کی تمنا تھی اور حق تعالیٰ نے حضرت عثمانؓ کے جوار میں انہیں جگہ عطا فرمائی شیخ اسماعیل صاحب کا سارا خاندان علم پرور اور دیندار ہے۔ ادارۂ الحق اور دارالعلوم اس صدمہ میں تمام لواحقین سے اظہار تعزیت کرتا ہے اور مرحومہ کے رفع درجات کا متمنی ہے۔

تعزیت کا شکریہ | میری والدہ محترمہ اہلیہ شیخ محمد اسماعیل جالندھر مہاجر مدینہ طیبہ کی وفات پر جن احباب اور بزرگوں نے والد بزرگوار کو مدینہ تعزیت کی چٹھیاں لکھی ہیں یا یہاں ہمارے خاندان سے تعزیت کی ہم ان تمام حضرات کے نہایت ممنون ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرماوے

ہمارے والد صاحب کو بوجہ ضعف مدینہ سے فرداً فرداً جواب دینا مشکل ہے ان سطور کو تعزیت کا پیغام تصور فرمائیں۔

عبدالباری ابن الشیخ اسماعیل مہاجر مدینہ
معرفت الحاج حبیب صاحب۔ حبیب برادرز قصہ خوانی پشاور

حدیث کا ماخذ چاہیے ایک حدیث سنتے آئے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ قیامت کے قریب کے زمانے کے نزدیک۔ مجھے ٹھنڈی ہوا ہندوستان کی جانب سے آرہی ہے۔" یہ پیشنگوئی پاکستان کے بارہ میں بھی ہوسکتی ہے کہ یہ بھی برصغیر ہی کا ایک حصہ تھا۔ علامہ اقبال جیسے عالم و فاضل نے بھی اپنے شعر ۔۔۔ میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے ۔۔۔ میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔ مجھے مدتوں مدتوں اس کے ماخذ اور حوالہ کی تلاش رہی مگر یہ حدیث کہیں نہیں ملی۔ اگر کوئی عالم فاضل بزرگ مجھے اس کا ماخذ حوالہ بقید جلد و صفحہ بتلا دیں تو تشنگانِ علم کی تشنگی رفع کرنے کا سامان ہوگا۔ یہ حدیث صحاح ستہ کو چھوڑ کر دیگر کتابوں میں تلاش کی جائے کیونکہ اُن کتابوں میں نہیں ہے۔

احسان قریشی
پرنسپل کمرشل کالج سیالکوٹ

اسپین میں ایمان کا بیج میں تقریباً چار سال ہوئے جب یورپ کے پہلے سفر پر گیا تھا تو ایک ہفتہ کیلئے اسپین بھی گیا تھا، میڈریڈ (مجریط) اور ٹولیڈو (طلیطلہ) کے علاوہ جہاں تھوڑے ہی عرصہ اسلامی حکومت رہی ہے۔ اصل قدیم اسلامی مراکز قرطبہ اشبیلیہ اور غرناطہ کی زیارت کی اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت عطا فرمائی کہ غالباً صدیوں کے بعد غرناطہ میں نماز جمعہ کا سلسلہ شروع کرنے کا موقعہ ملا۔ صرف ۶، ۷ آدمیوں جنمیں ہمارے علاوہ عرب طلباء تھے، نماز میں شرکت کی ان سے وعدہ لیا کہ وہ اس کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔ عرصہ تک کوئی خبر نہیں ملی لیکن یہ بیج جو اس بلد طیب میں ڈالا گیا تھا، ضائع نہیں ہوا حال میں اس عزیز کا خط آیا جو ہمارا میزبان تھا۔ "تعمیر حیات" (ندوۃ العلماء) میں اس خط کا ترجمہ شائع ہوا ہے۔ آپ کی دلچسپی کیلئے تراشہ بھیج رہا ہوں باقی اس سرزمین کی دلآویزی اور وہاں کے پرحسرت تاثرات تو کبھی ملاقات کے وقت ہی سناؤں گا۔

ایک اقتباس از مکتوب مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ
۸۸/۹/۲۳ ہجری بنام سمیع الحق۔

تعارف کتب

بائبل سے قرآن تک

جلد اوّل

مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی ـــــ تحقیق و تشریح: مولانا محمد تقی عثمانی۔

ناشر: مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴

صفحات ۶۱۲ ـــــ قیمت مجلد ۱۵ روپے

برصغیر میں کم و بیش ایک صدی قبل انگریز کی بدولت عیسائیت اور عیسائی مشنریوں کا ایک طوفان امڈ آیا تھا، علماء حق کا جو گروہ اس کی راہ میں آہنی دیوار بن کر کھڑا ہوا، اس کے سرخیل مولانا رحمت اللہ کیرانوی (ف ۱۳۰۸ھ) تھے۔ عیسائیت کی تردید و تعاقب میں انہوں نے اظہار الحق نام سے جو وقیع اور بلند پایہ کتاب لکھی، بلاشبہ اس موضوع پر متقدمین اور متاخرین کی تمام لکھی ہوئی کتابوں میں اسے جو امتیاز حاصل ہوا اوروں کو نہیں ہوسکا، وجہ اسکی مولانا مرحوم کا خلوص، تبحر علمی، وسیع مطالعہ مخالف کے تمام دلائل اور عیسائیت کے اصل مآخذ پر گہری نظر قوت بیان و مناظرہ ژرف نگاہی اور بات سے بات نکالنے کا ملکہ تھا یہ کتاب عیسائی دنیا پر صاعقہ بن کر گری اور یورپ نے واویلا کیا، کہ اگر یہ کتاب دنیا میں پڑھی جاتی رہی تو عیسائیت کا نام بھی مٹ جائے گا، اصل کتاب عربی میں تھی، اب تک دنیا کی چھ زبانوں میں اس کے ترجمے ہوتے مگر اردو کا دامن اس گنج گرانمایہ سے اب تک خالی رہا۔ ایسے موقع پر جبکہ پاکستان میں فکری اور تبلیغی محاذ پر عیسائیت بڑی تیزی سے کام کر رہی ہے، دارالعلوم کراچی نے اس کتاب کے اردو ترجمہ و تشریح کی خدمت انجام دے کر مسلمانوں پر بڑا احسان کیا ہے۔ اصل کتاب تین جلدوں اور چھ ابواب پر پھیلے گی، پیش نظر جلد اوّل کتاب سے متعلق اہم مباحث پر حاوی ایک مقدمہ اور ایک باب پر مشتمل ہے، جس میں بائبل کے درجہ استناد باہمی اختلافات اور فحش غلطیوں سے بحث کی گئی ہے۔ ترجمہ کی خدمت دارالعلوم کے لائق استاذ مولانا اکبر علی نے انجام دی ہے مگر کتاب کی وقعت اور ظاہری و معنوی قدر و قیمت کو جس چیز نے بڑھا دیا ہے وہ مولانا محمد تقی عثمانی مدیر البلاغ کا نہایت محققانہ اور جامع مدلل اور مبسوط مقدمہ ہے جس میں موجودہ عیسائیت کی حقیقت اور اس کے

اصل بائبل سے بحث کی گئی ہے۔ مصنّف کتاب مولانا کیرانوی کی سوانح اور پوری کتاب کے ذیلی حواشی بھی انہی کے لکھے ہوئے ہیں، ہمارے قابلِ فخر بھائی محب مکرم مولانا تقی صاحب کو خداوندکریم نے لائق رشک علمی اور تحقیقی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ بائبل سے قرآن تک ان خداداد صلاحیتوں کا ایک جیتا جاگتا پیکر ہے۔ تحقیق وتشریح اور حسن ترتیب کے لحاظ سے اظہار الحق اپنے موجودہ لباس میں یورپ کی اعلیٰ ـــــ ایڈیٹ شدہ کتابوں کا سامنا کرسکتی ہے۔ اس وقت اصل ضرورت یہ ہے کہ عیسائیت کے قلع قمع کی خاطر اس کتاب کے مندرجات مضامین اور قابلِ قدر مواد کو چھوٹے بڑے رسائل اور عام فہم زبان و اسلوب میں عام کر دیا جائے۔ مولانا تقی صاحب کا لکھا ہوا مقدمہ الگ بھی شائع کر دیا جائے، اور اہل علم ارباب فکر کے علاوہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی عیسائیت کی حقیقت سے آگاہی کے لئے بائبل سے قرآن تک کا مطالعہ حرزِ جان بنائے۔ ہم مولانا تقی عثمانی، ناشرین کتاب اور مترجم کتاب کی خدمت میں اس عظیم الشان خدمت پر تہ دل سے مبارکباد دیتے ہیں، تبلیغی مقاصد کی خاطر کتاب کی قیمت قدرے کم ہونی چاہیئے بھی۔ (سمیع الحق)

سبیل الرشاد

مرتبہ حضرت مولانا حافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور ـــــ ناشر: مکتبہ عثمانیہ واقع جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور ـــــ صفحات ۴۰ ـــــ قیمت ۷۵ پیسے۔

اس کتاب کے مرتب ایک ممتاز اور جید عالم و فاضل مختلف کتابوں کے مصنّف و مؤلف ہیں جن کی ذات محتاج تعارف نہیں، ان کی ہر تصنیف ان کی جلالت علمی پر شاہد ہوتی ہے، جس موضوع پر بھی مولانا موصوف نے قلم اٹھایا تو نقلی و عقلی دلائل کا ڈھیر لگا دیا۔ پیش نظر کتاب بھی مولانا محترم کی ان بلندپایہ تصنیفات و تالیفات کی ایک کڑی ہے جو کہ عوام و خواص دونوں میں قبولیت پا چکی ہیں۔ اس کتاب میں تین اہم مباحث یعنی قرأت خلف الامام، رفع یدین اور آمین بالجہر کو زیرِ بحث لایا گیا ہے اور نہایت بسط و شرط سے دلائل کی روشنی میں احناف کے مسلک کو ثابت کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ مخالفین کے شبہات بھی نقل کر کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ نہ صرف فقہی اور علمی مسائل میں دلچسپی لینے والے طلباء بلکہ علماء کے لئے بھی اس کا مطالعہ مفید ہوگا۔ کتابت و طباعت بھی قابلِ تحسین ہے۔ (انوار الحق)

سیرت پاک

مؤلفہ بشیر محمد شارق دہلوی
ناشر: کارخانہ تجارت کتب بالمقابل آرام باغ کراچی
صفحات ۲۰۸ ــــــ قیمت مجلد تین روپے

جامع اور وسیع حیات طیبہ کے اہم امور کو فاضل مؤلف نے جس اختصار اور عام فہم انداز میں سمیٹا ہے، قابل ستائش ہے۔ کتاب کے آخر میں چالیس احادیث دی گئی ہیں جو کہ اسلام کی اہم ترین تعلیمات کو گھیرے ہوئے ہیں ــــ اس کتاب کا مطالعہ مفید رہے گا کہ حضورؐ کی سیرت سے زندگی کو جلا ملتی ہے۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب و عمدہ ہے۔ مختلف خوبیوں کے باوجود قیمت بھی مناسب ہے ــــ (انوار الحق)

فقہ الحدیث

مولفہ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب مرحوم (سابق محدث دارالعلوم دیوبند)
ناشر: نور محمد کارخانہ کتب آرام باغ کراچی۔
صفحات ۱۱۲ ــــــ قیمت ۵۰/۱ روپیہ

مستند احادیث نبویہ سے فقہ کے بعض اہم مسائل کا استخراج کیا گیا ہے۔ کتاب کی ابتدا میں ایمانیات کے بارہ میں اہم امور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسی طرح نماز اور اس کے متعلقات، جمعہ و خطبہ، زکوٰۃ، روزہ اور حج اور دیگر مسائل کو فقہ حنفی کے مطابق نہایت سہل طریقے سے بیان کیا گیا ہے جس پر عام لوگ بھی بآسانی سمجھ سکتے ہیں۔ اہم خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ سوال و جواب کی شکل میں مسائل کو ترتیب دیا گیا ہے۔ مصنفؒ کتاب کا شمار تقویٰ تورع فقاہت اور علوم نبویّہ میں مہارت کے لحاظ سے اکابر علماء میں ہوتا ہے۔ اس کتابچہ میں اہم فقہی مسائل و جزئیات کی احادیث صحیحہ سے استنباط کرنا ان کے تفقہ اور نکتہ رسی کی دلیل ہے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ مرحوم کی "تعلیم الاسلام" کی طرح یہ کتاب بھی اس قابل ہے کہ ابتدائی اور ثانوی کلاسوں کے لئے نصاب میں شامل کر دی جائے ــــ کتابت و طباعت بھی عمدہ ہے ــــ (انوار الحق)

لہ دعوۃ الحق

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر : ۴ جمادی الاول ۱۳۸۹ھ

شمارہ نمبر : ۱۱ اگست ۱۹۶۹ء

مدیر سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک

مغربی پاکستان سالانہ چھ روپے ، فی پرچہ ۶۰ پیسے
مشرقی پاکستان سالانہ بذریعہ ہوائی ڈاک آٹھ روپے ، فی پرچہ ۷۵ پیسے
غیر ممالک سالانہ ایک پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ طابع و ناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش آغاز ـــــــ مجوزہ تعلیمی پالیسی اور مدارس عربیہ

نئی تعلیمی پالیسی میں قدیم عربی نظام تعلیم سے متعلقہ حصہ کے بارہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے جو مشورے وزارت تعلیم کو بھیجے ہیں انہیں یہاں شائع کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

جنرل آغا محمد یحییٰ خان صاحب صدر مملکت خداداد پاکستان اور ان کے معوز رفقاء نے مملکت کی فلاح کیلئے کئی اصلاحی قدم اٹھائے ہیں اور بہت سے امور کی اصلاح کی طرف توجہ دی جا رہی ہے چنانچہ تعلیم کی اصلاح اور بہبود کی خاطر نئی تعلیمی پالیسی کا اعلان بھی حکومت کے اسی نیک جذبہ کا مظہر ہے اس پالیسی میں مروّجہ دو قدیم اور جدید تعلیمی نظاموں میں تبدیلی کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے شگاف الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف کیا گیا ہے کہ جدید تعلیم کا مقصد سرکاری ملازمت کیلئے نوجوان طبقہ تیار کرنا تھا اور اس تعلیم میں کوئی ایسی خوبی نہ تھی جو نوجوانوں کو ایک آزاد ترقی پذیر قوم کی سیاسی، سماجی، یا اقتصادی ضروریات سے آگاہی بخشے، بالفاظ دیگر جدید تعلیم کا مقصد لارڈ میکالے کی پالیسی کو پورا کرنا تھا جو حکومت چلانے کیلئے صرف مشینی پرزوں کی طرح کام دے سکیں۔ ان کا قالب تو پاکستانی یا ہندوستانی ہو مگر دل و دماغ مغربی ہو۔ قوم کی حقیقی فلاح و بہبود، ملک اور دین کی بھلائی اخلاق اور سماج کی تطہیر اور معاشرہ کی تربیت سے اس تعلیم کو کوئی غرض نہیں تھی۔ دوسری طرف قدیم تعلیم ہے جو عربی مدارس اور دارالعلوموں میں درس نظامی کی شکل میں رائج ہے جس کے بارہ میں رپورٹ میں اعتراف کیا گیا ہے کہ اس نظام نے اپنے وقت میں ریاستی ضروریات سے آگاہی بھی بخشی اور اس نظام نے بڑے بڑے مفکر، عالم، دانشور اور منتظم بھی پیدا کئے۔ اس نظام میں بذریعہ حفظ و تکرار علوم دینیہ بزبان عربی اس لئے پڑھائے جاتے ہیں کہ خارجی اثرات سے اسلامی ثقافتی اقتدار کا تحفظ ہو سکے ــــ گویا رپورٹ میں پہلی بار اس حقیقت کا اعتراف کیا گیا ہے کہ عربی قدیم نظام تعلیم نے اب تک اسلامی اقدار

و شعائر اور اسلامی تہذیب کو باقی رکھا ہے یعنی دین کا تحفظ کیا ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ دو سو برس کی غلامی اور بدترین استبداد کے باوجود اگر آج دین اپنی صحیح شکل میں محفوظ ہے تو اس کا سہرا ان قدیم علوم پڑھانے والوں کے سر پہ ہے اگر دینی مدارس اپنی موجودہ آزاد شکل میں نہ ہوتے تو آج یہ برصغیر بھی بخارا اور تاشقند یا اندلس کا نمونہ پیش کرتا مگر بحمد اللہ تقریباً سو فیصد مسلمانوں کا عقائد صحیحہ پر جمے رہنا اور نصف سے زیادہ مسلمانوں کا عملاً اسلامی تہذیب اور اعمال پر قائم رہنا یہ ان مدارس عربیہ کی خدمات جلیلہ کے بارآور ہونے کی واضح دلیل ہے۔ مدتوں اس پروپیگنڈے کے بعد کہ "دینی مدارس کا وجود بالکل لغو اور بے کار ہے" موجودہ نئی رپورٹ میں ان مدارس کا اسلامی اقدار کے تحفظ کے سلسلہ میں اعتراف کرنا موجودہ حکومت کی نیک نیتی خلوص اور حق پسندی کی دلیل ہے۔ اس رپورٹ سے کم از کم یہ تو واضح ہو جاتا ہے کہ لارڈ میکالے کے نظام تعلیم نے نہ تو دین کی خدمت کی اور نہ مملکت کی فلاح اور ترقی کیلئے کوئی خاطر خواہ رہنمائی کی اور اس عرصہ میں مدارس عربیہ نے اگرچہ دنیاوی علوم اور دنیاوی مفاد سے سروکار نہ رکھا مگر دین اسلام کے تحفظ کا کام تو ان مدارس نے انجام دے ہی دیا۔ اگرچہ ہمارے خیال میں دنیوی علوم اور ترقی سے بے اعتنائی کا الزام بھی ان مدارس پر صحیح نہیں، مگر تھوڑی دیر کے لئے اگر یہ بات مان لی جائے تب بھی یہ الزام درست نہیں ہو سکتا کیونکہ ہمارا نظریہ ہے کہ تمدن اور اخلاق و معاشرت کی اصلاح اور تطہیر ہی دنیوی ترقی کا سبب ہے۔ آج بھی جن لوگوں میں مذہب کی حرمت باقی ہے ان میں بے دین اور لامذہب لوگوں کی بہ نسبت برائیاں بہت کم ہیں۔ تو جس قوم میں دین ہوگا اس کو حقیقی دنیوی ترقی بھی میسر ہوگی وہ ملک وملت اور قوم وحکومت کا خیر خواہ اور اپنے فرائض کی بجاآوری کرنے والا ہوگا اس لحاظ سے ایک نظریاتی مملکت جسکی اساس اسلام ہو جسکی بقا مذہب اور مذہبی اقدار پر موقوف ہو اگر کوئی تعلیمی نظام اس بنیادی اور نازک ترین مقصد (مذہب کے تحفظ، فروغ اور اشاعت) کو پورا کر رہا ہو تو جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ اس بلند مقصد کو پورا کرنے والے قدیم نظام تعلیم کے بارہ میں بھی یہ کہنا کہ یہ ہماری قومی ضرورتوں کو پورا نہیں کرتا ایک گونہ لاعلمی اور زیادتی ہے۔

تاہم رپورٹ کے مطابق اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ نظام بھی ہماری موجودہ ضرورتوں کو پورا نہیں کرتا اور صرف دین کی خدمت اور دینی اقدار کا تحفظ ہی اس کا مقصد رہا اور برصغیر کی دوسو سالہ تاریخ اسکی شہادت دے رہی ہے کہ یہ نظام اس مقصد میں کامیاب رہا تو اسکی وجہ بھی ہمارے خیال میں صرف ایک ہے کہ دینی مدارس ہمیشہ حکومت کے کنٹرول اور ہر خارجی دباؤ سے آزاد رہے، حالات کی ناسازی، مشکلات اور مصائب کی پروا کئے بغیر یہ مدارس دین کے تحفظ اور صحیح خدمت میں مشغول رہے ہیں اور

جدید نظام تعلیم حکومتوں کی نگرانی اور امداد سے پھلا پھولا اور بیرونی یا داخلی حکومتوں کی پالیسیاں اس پر اثر انداز ہوتی رہیں۔ اگر یہ عربی مدارس بھی حکومتوں کی گرانٹ امداد اور ان کے کنٹرول میں رہتے تو آج یہ مدارس بھی شخصی اغراض اور حکومتوں کی پالیسیوں کی وجہ سے دین کو اس قدر بدل چکے ہوتے کہ اصلی دین کا نام و نشان بھی اس برصغیر میں باقی نہ رہتا اور ان مدارس میں دین کی تعبیر و تشریح کا کام حکومتوں کے جائز و ناجائز مقاصد اور پالیسیوں کی روشنی میں کیا جاتا اور دین میں سراسر تحریف ہو جاتی جس کی کئی مثالیں اور افسوسناک نتائج عالم اسلام میں مل سکتے ہیں۔ بحمداللہ ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوا اور ان دینی مدارس کو چلانے والوں اور پڑھنے پڑھانے والوں نے خالص خوشنودیٔ خداوندی اور فریضۂ مذہبی جان کر اب تک یہ خدمت انجام دی۔ قوم نے خدمت کی تب بھی، نہ کی تو تب بھی ان مدارس عربیہ اور ان سے نکلنے والے علماء حق نے تحفظ دین میں کوتاہی نہیں کی۔ یہ سلسلہ آج تک توکلاً علی اللہ جاری ہے اور مسلمان قوم کی رضا کارانہ تعاون اور امداد سے یہ عظیم کام چل رہا ہے۔ بحمداللہ دین محفوظ ہے اور باوجود کوششوں کے دین میں تغیر و تحریف نہیں کیا جا سکا۔ اب حکومت نے اصلاحی جذبہ کے تحت دونوں نظاموں میں دور رس تبدیلیوں کا ارادہ کیا ہے تو اس سلسلہ میں گذارش ہے کہ دنیوی ترقیات اور قومی ضروریات کے لئے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں کافی کام ہو رہا ہے۔ اور اہم ترین ضرورت ہے کہ ان اداروں میں اسلامی تعلیمات اور اسلامی اقدار کی اشاعت کیلئے مؤثر قدم اٹھایا جائے اس نظام تعلیم کا مقصد صرف لارڈ میکالے کے نظریہ کی تکمیل نہ ہو بلکہ ایک اسلامی معاشرہ اور اسلامی مملکت کیلئے نہ صرف دنیا بلکہ دینی لحاظ سے بھی نہایت کامل اور صالح افراد مہیا ہو سکیں۔

رہا عربی مدارس کا نصاب تو اس میں اگر مروجہ لازمی علوم و فنون جن کی ضرورت ہے اگر شامل کر دئے جائیں تو اس سے کسی کو انکار نہ ہوگا۔ اس لئے کہ دنیوی علوم و فنون سے کسی دور میں یہ مدارس عربیہ خالی نہیں رہے یہ فنون اب بھی مدارس عربیہ میں شامل ہیں مثلاً علم حساب میں خلاصۃ الحساب ریاضی میں تصریح و شرح چغمینی اقلیدس اور فلسفہ قدیم میں صدرا شمس بازغہ وغیرہ اور منطق میں کئی کتابیں زیر درس رہتی ہیں ۔۔۔ اب اگر حکومت بعض عصری ترقی یافتہ علوم اور اضافہ شدہ تحقیقات کو سائنس جغرافیہ وغیرہ کی شکل میں اضافہ کی خواہش رکھتی ہے جن کا خود مدارس عربیہ کو احساس ہے۔ تو اسے نگاہِ تحسین سے دیکھا جا سکتا ہے بشرطیکہ چند باتوں کو ملحوظ رکھا جاتا۔

الف: عربی مدارس کے نصاب میں اولیت اور اہمیت بہر حال علوم دینیہ قرآن و حدیث

تفسیر و اصول تفسیر فقہ اصول فقہ اور علوم عربیہ ادب معانی نحو صرف وغیرہ کو رہے۔ ان علوم میں حکومت کو دخل دینے یا ترمیم کرنے کا کوئی حق نہ ہو۔

ب : نئے علوم کے اضافہ اور نصاب میں کمی بیشی کی نگرانی کا کام مدارسِ عربیہ کی اپنی ایک با اختیار تنظیم اور کسی فعال بورڈ کے ہاتھ میں رہے جس میں شامل علماء مدارس عربیہ کے تمام مسائل کی اہمیت اور مسلک و مشرب سے آگاہ ہوں مستند ہوں اور حکومت کے اثر سے آزاد ہوں جن کے تقویٰ و دیانت اور علمی مہارت پر اعتماد ہو اور کم از کم دس سالہ تجربہ مدارس عربیہ میں پڑھنے پڑھانے کا انہیں حاصل ہو اس بورڈ میں ملک کے مستند اور ممتاز مدارسِ عربیہ کے مہتمین یا صدر مدرسین کی کم از کم دو تہائی اکثریت ہونی چاہیے پھر اس بورڈ کے ارکان پر عامۃ المسلمین اور اہل علم کا اعتماد بھی ہو اگر اس بورڈ کا تقرر حکومت کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے تو خطرہ ہے کہ اس میں سابقہ ثقافتی یا سرکاری تحقیقاتی اداروں جیسے نام نہاد "علامہ اور محقق" قسم کے لوگ شامل کر دئے جائیں۔ جو اس نظامِ تعلیم کا سارا نقشہ ہی بدل دیں گے۔

ج : اس با اختیار تنظیم کی ایک مثال ہمارے سامنے مدارس عربیہ کی ایک تنظیم وفاق المدارس کی شکل میں موجود ہے جس کا مرکز ملتان میں ہے، دو ڈھائی سو مدارس اس سے منسلک ہیں اور درس نظامی کی انتہائی کلاس دورۂ حدیث شریف کے امتحانات دس سال سے اس تنظیم کی نگرانی میں یونیورسٹی کی طرز پر ہو رہے ہیں۔ یہ تنظیم مدارسِ ملحقہ کی نگرانی بھی کرتی ہے اور نصاب میں کمی بیشی بھی عرصہ سے اس کے ہاں زیر غور ہے۔ وفاق المدارس کو زیادہ فعال، منظم اور با اختیار بنا دینے کی صورت میں ملک کے بعض دیگر ممتاز مدارس بھی اس سے الحاق کر سکتے ہیں۔ اور بلا کسی دخل اندازی کے حکومت کی نصاب کے سلسلہ میں ماہر اساتذہ اور کتابوں کی فراہمی اور سندات کی منظوری وغیرہ مراعات دینے سے اسکی افادیت اور بھی بڑھ سکتی ہے۔ حکومت اگر وفاق المدارس یا اس کے متبادل دوسری کسی خود مختار تنظیم کے نامزد کردہ بورڈ ہی کو منظور کر لے اور اس میں غیر ملحقہ مدارس یا جدید علوم کے ماہرین کو بھی نمائندگی دیدی جائے اور اسے با اختیار اور آزاد چھوڑ دے تو حکومت ایک تو بھاری اخراجات سے بچ جائے گی، دوسرے مدارس بھی نظام تعلیم کا معیار باقی رکھنے کے سلسلے میں کئی پریشانیوں اور بے اطمینانیوں سے محفوظ رہیں گے۔

د : مدارسِ عربیہ کے امتحانات اور تعلیمات کی نگرانی، نصاب میں مشورہ اور رہنمائی کا کام اس بورڈ کے ہاتھ میں ہو اور دیگر تمام داخلی انتظامی امور اساتذہ کا نصب و عزل وغیرہ کا

اختیار مقامی مجلس منتظمہ اور مہتمم کی مرضی پر رہے۔

۴ : مالیات کے سلسلہ میں بھی مدرسہ کلاً خود مختار رہے اور اس کے آمد و خرچ کا کام مجلس منتظمہ ہی پر چھوڑ دے بالفاظ دیگر حکومت مدارس عربیہ کے اخراجات کا بوجھ بیت المال پر نہ ڈالے، اگر یکمشت اور غیر مشروط کسی وقت بطور عطیہ کچھ دے تو حرج نہیں، البتہ گرانٹ کے نام پر حکومت دینی عربی مدارس کی امداد نہ کرے تاکہ ان مدارس کے ساتھ قوم کا تعاون اور اعتماد برقرار رہے اور مالی طور پر حکومت کا دست نگر بننے کی وجہ سے ان علوم کی آزاد اسلامی روح بھی مجروح نہ ہونے پائے۔ دو سو سال سے قوم جس خلوص سے ان مدارس کے خطیر اخراجات برداشت کرتی چلی آئی ہے یہ چیز صرف اس صورت میں آئندہ بھی قائم رہ سکتی ہے کہ حکومت کا مالی تعاون نہ ہو۔ اگر قوم کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان دینی مدارس کو حکومت باقاعدہ مشروط امداد دے رہی ہے تو وہ کنارہ کش ہو جائے گی اور سارا بوجھ سرکاری خزانہ پر پڑ جائے گا جو اس کے لئے ناقابل برداشت ہونے کی وجہ سے اس نظام کے لئے ناقابل تلافی نقصان کا موجب بنے گا، اور بنیادی بات وہی ہے کہ دین حکومت کی آئے دن کی پالیسیوں کے نیچے پس جائے گا، اور نادانستہ حکومت کا یہ اصلاحی قدم دین کے ختم کرنے اور اس ملک کی نظریاتی اساس کو برباد کرنے کا ذریعہ بن جائے گا۔

۵ : مدارس عربیہ کو مالیات کے لحاظ سے آزاد چھوڑ دینے کی صورت میں یہ خطرہ ہے کہ بہت سے لوگ دینی علوم اور مدارس عربیہ کے نام پہ بددیانتی کرنے لگیں گے۔ تو اس کے تدارک کے لئے حکومت یا منتخب بورڈ ہر مدرسہ کے مالیات آمد و خرچ اور حسابات کی جانچ پڑتال کر سکتی ہے کہ واقعی فلاں مدرسہ موجود ہے یا نہیں؟ اور تعلیمی سلسلہ اس میں باقاعدہ جاری ہے یا نہیں اور اس کا حساب کتاب درست ہے یا غلط؟

رہا یہ سوال کہ حکومت کی مالی سرپرستی نہ کرنے اور مالی امداد نہ دینے کی صورت میں علماء اور طلباء کا دنیوی معیار اونچا نہیں ہو سکتا اور معیار زندگی کمزور رہے گا، تو گذارش ہے کہ علماء حق اور دینی مدارس والے یہ خدمت دو سو سال سے فقر و فاقہ برداشت کر کے بقدر کفاف قوت لا یموت کی زندگی گذار کر انجام دیتے آئے ہیں یہ جماعت علوم انبیاء کی وارث ہے جن کا اعلان تھا کہ لا اسئلکم علیہ اجراً۔ علماء کے سامنے اصل مسئلہ اپنے لئے معاشی خوشحالی اور پیٹ کا مسئلہ نہیں بلکہ دین کی بقاء اور تحفظ کا ہے۔ اگر حکومت کی کسی نئی پالیسی سے یہ مقصد مجروح ہوتا ہے اور کسی اقدام سے علماء ربانی کا گروہ مطمئن نہیں ہوتا تو وہ ایسے مدارس کو چھوڑ کر اسلاف کی طرح جنگلوں اور درختوں کے سایہ میں

بیٹھ کر وراثت نبوت علومِ نبویہ کی حفاظت کرتے رہیں گے۔ انہوں نے بوسیدہ چٹائیوں پر بیٹھ کر برطانیہ اور انگریز کے علی الرغم دین کی خدمت کی تو اب تو بحمد اللہ اپنی حکومت ہے اور علماء ملک کی بقاء کی خاطر اور بھی بڑھ چڑھ کر دین کی حفاظت کریں گے۔ یہ ہمیں یقین ہے کہ موجودہ حکومت دین کی بقاء چاہتی ہے نہ کہ اس کا ضعف اور اس میں تحریف مگر سابقہ تجربات بتلاتے ہیں کہ جب بھی خود غرض اور مطلق العنان قسم کے لوگ اقتدار پر قابض ہوئے تو وہ دین میں دخل اندازی کرنے لگے اور اسے اپنی خواہشات کا خادم اور حاشیہ بردار بنانے لگے جس کا ثمرہ یہی ہوتا ہے کہ دین ایسے ملک سے کسی دوسری جگہ اپنا ڈیرہ ڈال دیتا ہے۔ اور خود یہ قوم نہ دنیا کی رہتی ہے نہ دین کی --- بلکہ خسر الدنیا والآخرۃ۔ کا مصداق بن جاتی ہے۔ اس وقت علماء حق اسلام کی خاطر سوشلزم، اشتراکیت، مغربیت اور دیگر لادینی فتنوں کے مقابلہ میں بلا کسی خوف اور لالچ کے سینہ سپر ہیں۔

تو ہمیں یقین ہے کہ دین کی ترویج اور فروغ کی خاطر بغیر طمع و لالچ اور محض خداوند کریم کی خوشنودی حاصل کرنے سے علماء حق قدیم دینی نظامِ تعلیم کو محفوظ رکھیں گے اور بوسیدہ چٹائیوں اور باسی ٹکڑوں پر گذر اوقات کر کے علومِ دینیہ کی درس و تدریس کو جاری رکھیں گے۔ اس وقت ممکن ہے کہ کچھ لالچی قسم کے لوگ مدارسِ عربیہ پر حکومت کے کنٹرول اور تسلط کی تائید کریں مگر یہ لوگ نہ تو حکومت کے خیر خواہ ہوں گے نہ دین کے۔ اور نہ اس ملک کے بلکہ انہیں محض اپنے وقتی مفادات عزیز ہوں گے۔ اہلِ حق کا گروہ ہر حال میں بلا کسی لومۃ لائم کے فریضۂ مذہبی ادا کرنے میں سعی بلیغ کرتا رہے گا۔ اور انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ کے وعدہ کے مطابق خداوند کریم کی نصرتِ غیبی ان کے شاملِ حال رہے گی ---

---

دو ایک مزید گذارشات پیش ہیں:

الف: اسلامی مدارس کو جدید نظامِ تعلیم میں مدغم کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ جدید نظامِ تعلیم کو درست کیا جائے جس پر حکومت کا کروڑوں روپیہ خرچ ہو رہا ہے۔ اس تبدیلی کے نتائج اگر پاکستان اور دین کے حق میں ظاہر ہوئے تو اس کی افادیت کے بعد مذہبی مدارس خود بخود اپنے نظام میں تبدیلی کا تقاضا کرنے لگیں گے۔ مگر اب تک جدید نظامِ تعلیم جو نہ دین کیلئے فٹ ہے اور نہ دنیا کے لئے اس میں اہم انقلاب لائے بغیر دینی مدارس کو اس سے منسلک کرنے کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ دین کے تحفظ کا جو کام ہو رہا ہے وہ بھی درہم برہم ہو جائے گا۔

ب: مشنری اداروں کو بند کر دینے کی تجویز بھی نہایت قابلِ تحسین ہے اس سے لادینی

اور مغربی فتنوں کا دروازہ بند ہو جائے گا، البتہ پاکستان اقلیتوں اور عیسائیوں کے سکولوں کے آزاد چھوڑ دینے میں یہ خطرہ ہے کہ جو خطرات غیر ملکی مشنری اداروں سے بلاواسطہ درپیش تھے۔ اب وہ ان ملکی اداروں کے ذریعہ بالواسطہ اپنے مقاصد کی تکمیل کراتے رہیں گے۔ لہذا ایک تو ایسے اداروں میں کسی مسلمان بچے کو داخلہ کی اجازت نہ ہو دوسرے ملک کی سلامتی کی خاطر اور ان کی ریشہ دوانیوں سے آگاہ رہنے کے لئے ان اداروں کی کڑی نگرانی رکھی جائے۔

ج: رپورٹ میں اسلامیات کو میٹرک تک لازمی اور پوسٹ گریجویٹ کے درجہ تک اختیاری قرار دیا گیا ہے، مگر اسلامیات کو آخری درجوں تک لازمی قرار دینا چاہئے اور اس میں ناکام ہونے کی صورت میں آخری ڈگری بھی روک دینی چاہئے اس کے بغیر محض ادھوری اور سرسری دینی معلومات کا نتیجہ خاطر خواہ نہ ہوگا بلکہ نیم عالم خطرۂ ایمان کا منظر ہوگا اور آگے چل کر دین کے بارہ میں ایسے اذہان ارتیاب اور تذبذب کا شکار ہوں گے۔

د: ایک اہم بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اسلامیات پڑھانے والے اساتذہ اسلامی علوم کے ماہر ہونے کے علاوہ اسلامی اخلاق و کردار کا عملی نمونہ ہوں اور حضورؐ کے اسوہ حسنہ پر گامزن ہوں۔ اسطرح استاد کی زندگی اور تربیت کا اثر شاگردوں پر پڑے گا، ورنہ نرے محقق قسم کے اساتذہ کا کوئی خوشگوار اثر نہیں پڑ سکتا۔ اسلامیات پڑھانے والے اساتذہ میں یہ چیز ضرور ملحوظ ہے، کہ کم از کم ظاہری طور پر تو وہ متشرع اور احکام شریعت کی پابندی کرنے والے ہوں۔

آخر میں ہم تعلیمی پالیسی پیش کرنے والے محترم جناب ائیر مارشل نور خان (جن کے اخلاص تدین اور عالی ہمتی کی بڑی شہرت ہے) سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ سو برس کے دور غلامی کی خرابی کی جڑیں بہت دور تک پہنچ چکی ہیں۔ کسی بھی انقلابی قدم اٹھانے سے پہلے مسئلہ کے تمام گوشوں کو دیکھ کر نہایت حکیمانہ مدبرانہ اور غیر عاجلانہ قدم اٹھانا چاہئے۔ جدید تعلیمی نظام میں تبدیلی کیساتھ ساتھ ان لاکھوں افراد کے دینی و اسلامی تربیت پر بھی توجہ دینی چاہئے جن کا ذہن و دماغ جدید تعلیم کے سانچہ میں ڈھلا ہوا ہے، اس نظام کی افادیت ان کے دل میں راسخ ہو چکی ہے یہی لوگ اس نئے تعلیمی نظام کو چلانے والے ہوں گے۔ تو جب تک اس محکمہ سے وابستہ لاکھوں افراد دل و جان سے اسلامیات کی فوقیت اور عظمت کے قائل نہ ہونگے وہ اسے نئی نسل کے قلوب میں پوری شرح صدر کے ساتھ کب اتار سکیں گے۔ اسی طرح جب قدیم علوم پڑھانے والوں کو اس نظام کی افادیت کا علم ہوگا تو وہ جدید علوم و فنون کو بھی بخوشی قبول کرلیں گے ہم انقلابی حکومت کے شکر گذار ہیں کہ اس نے ملک و ملت کی اصلاح کی خاطر اصلاحی اقدامات کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ دین و ملک اور مسلمانوں کی کامیابی و سرخروئی کیلئے کام کرنے کی انہیں صحیح توفیق عطا فرما دے۔

عبدالحق عفی عنہ

۲۶ جولائی ۱۹۶۹ء

مہتمم دارالعلوم حقانیہ

ضبط و ترتیب : ادارہ الحق

چاند تک انسان کی رسائی اور اسلام

خلائی پرواز کا اسلامی تعلیمات پر کوئی اثر نہیں پڑتا

خطبۂ جمعۃ المبارک ۹ ر جمادی الاول ۷۹ ۱۹ء

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ قال اللّٰہ تعالیٰ ۔ ولقد کرمنا بنی آدم وحملناھم فی البرّ والبحر وفضلناھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا۔

کائنات پر انسان کی فضیلت محترم بزرگو ! خداوندکریم نے انسان کو کائنات پر صوری ومعنوی فضیلت عطا فرمائی ہے۔ جسم میں انسان بہت چھوٹا ہے مگر صوری وظاہری محاسن میں سارے عالم پر فائق ہے اور عقل وادراک علم اور دوسری معنوی خوبیوں میں بھی ساری مخلوقات پر اسے سبقت حاصل ہے گویا کہ یہ پوری کائنات اس مختصر سے جسم میں سمٹ گئی ہے اور عالم اکبر اس عالم اصغر میں پنہاں ہے۔ اس لیے بعض نے کہا کہ پوری "آفاقی" آیات اس چھوٹے سے "نفس" میں موجود ہیں. خداوندکریم کا ارشاد ہے کہ ولقد کرمنا بنی آدم وحملناھم فی البرّ والبحر وفضلناھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا۔ (ہم نے بنی آدم کو کرامت سے نوازا ہے اور اسے برّ وبحر میں اٹھایا اور اسے بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی)

اس فضیلت کی وجہ بار امانت کو اٹھانا ہے۔ اس فضیلت کو دوسری آیت میں اسطرح واضح فرمایا گیا : انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض فابین ان یحملنھا وحملھا الانسان۔ (ہم نے آسمانوں اور زمینوں پر اپنی امانت کے اٹھانے کی پیشکش فرمائی تو انہوں نے اس بار امانت اٹھانے کی ذمہ داریوں سے معذرت کی اور انسان پر جب اسے پیش کیا تو اس نے اس ذمہ داری کو اپنے ذمہ لگا دیا۔)

یاد رہے کہ امانت کی یہ پیشکش جب مخلوقات پر ہوئی تو انہیں اختیار دیا گیا کہ اگر اس امانت کا بوجھ تم نے اٹھایا اور اس کا حق ادا کیا اپنی زندگی اس کے مطابق ڈھالدی تو تمہیں رضائے الٰہی جنت،

اور دائمی عزت نصیب ہوگی اور اگر ذمہ داری قبول کرنے کے بعد بھی تم نے حق امانت پورا نہ کیا تو تمہیں دائمی عذاب اور جہنم میں داخل ہونا پڑے گا۔ اس لئے تمہیں اختیار ہے کہ امانت کے متحمل بنتے ہو یا نہیں برداشت کرتے دونوں باتیں تمہاری رضی پر ہیں مگر عدم تحمل کی صورت میں تمہیں اسی حالت میں رہنا ہوگا۔ جمادات کی طرح کہ نہ ترقی ہوگی نہ عروج اور نہ عذاب کا خطرہ ہوگا نہ جنت کی امید ہوگی۔ تو آسمانوں اور زمین نے امانت نہ اٹھائے جانے کو ترجیح دی کہ کہیں کوتاہی کی صورت میں عذاب میں مبتلا نہ ہونا پڑے مگر انسان جو کہ بالطبع رب العزت کا عاشق ہے اور عشق کے جذبہ سے اسکی روح اور اس کا قلب سرشار رہتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ قلب ہر وقت متحرک اور مضطرب رہتا ہے اور دھڑکتا رہتا ہے گویا کہ محبوب حقیقی کی تلاش اور یاد میں اپنی ہر حرکت سے اللہ اللہ کی ضربیں لگاتا ہے۔ ایسے عاشق طبعی کو تو محبوب کا اشارہ بھی کافی ہوتا ہے تو جب محبوب کی طرف سے پیشکش ہوئی اس کو فوراً جذبہ عشق نے قبول امانت پر آمادہ کر دیا اور یہ پرواہ نہ کی کہ ذمہ داری میں کوتاہی کی صورت میں کیا کیا مصیبتیں پیش آئیں گی۔ دیکھئے! فرہاد جو مجازی عاشق تھا محبوب کے اشارہ ابرو پر پہاڑ کھودنے لگا۔ تو انسان جو عاشق حقیقی ہے محبوب حقیقی کے اشارہ پر کیوں بار امانت اٹھانے سے جھجکتا۔ اور اس کا نتیجہ یہی نکلا کہ خداوند کریم نے اسے آسمانوں زمینوں اور ساری مخلوقات پر فوقیت دی۔ یہ راعی اور وہ رعیت بنے ساری کائنات اسکی مسخر ہوئی، اسکو بحر و بر اور آسمان و زمین کے درمیان ساری فضا پر چلنے اور ان میں تصرف کرنے کی اجازت ملی اور بنی نوع انسان کے جد امجد حضرت آدم کو خلیفۃ اللہ کا خطاب دیا گیا اور عالم کی تمام اشیاء میں تصرف کرنے اور اسکی تحلیل و ترکیب کی اجازت ملی اشیاء کے اسماء اور خاصیتیں اسے بتلا دی گئیں۔

کائنات میں تصرف کی راہنمائی انبیاء نے فرمائی | اس تصرف اور استعمال کی رہنمائی رسولوں کے ذریعہ فرمائی جو معصوم اور معلم من اللہ تھے تاکہ انسان نفس اور شیطان کے دھوکہ اور خواہشات نفسانی کی وجہ سے اس امانت کو غلط طور پر استعمال نہ کرے اور تمام چیزوں کی ترکیب و تحلیل اپنے موقعہ پر اور نیک مقصد کیلئے کرے۔ اشیاء میں بے جا تصرف سے بذریعہ وحی منع کر دیا گیا اور دیگر فضیلتوں کے علاوہ اسے نعمت علم سے نوازا گیا جو انسان کی خصوصیت ہے ان انبیاء کو دئے گئے علوم میں رفتہ رفتہ ترقی ہوتی رہی، یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ان کی ذات پر علوم نبوت کی تکمیل کر دی گئی۔

علوم کا ظہور اور تکمیل حضورؐ کی ذات پر ہوئی | حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کو جو

علوم دیئے گئے اس کی نظیر سابقہ ادوار اور گذشتہ امتوں میں نہیں ملتی۔ بخاری شریف میں حدیث ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ اوپر تشریف لے جا رہے تھے تو بیت المقدس میں بطور مہمانی وضیافت مختلف مشروبات پیش کئے گئے ایک گلاس پانی کا بھرا ہوا تھا، ایک میں شہد تھی اور ایک میں دودھ تھا، اور ایک میں شراب تھی۔ مگر یاد رہے کہ یہ جنت کی شراب تھی یعنی شراب طہور جو تمام مسلمانوں کو جنت میں ملے گی اور طیب وطاہر اور ہر قسم کی خرابیوں سے پاک صاف ہوگی مگر پھر بھی شراب ہی اس کا نام تھا۔ حضور اقدس نے نہ پانی لیا نہ شہد اور نہ شراب بلکہ دودھ پی لیا۔ حضرت جبرئیل نے فرمایا: الحمدللہ کہ آپ نے دودھ پی لیا یہ فطرت کے مطابق ہے اور دودھ عالم مثال میں علم کی شکل ہے۔ گویا اشارہ تھا کہ آپ کی امت علم میں باکمال اور سارے عالم میں ممتاز رہے گی اگر آپ شہد پی لیتے تو امت لذتوں میں پڑجاتی اور اگر شراب پی لیتے جو اگرچہ طہور تھا تو امت گمراہی میں مبتلا ہوجاتی اگر پانی پی لیتے تو بے کمال رہ جاتی کیونکہ پانی صفات اور کمالات سے خالی ہے نہ میٹھا نہ کڑوا نہ سرخ نہ زرد نہ خوشبودار نہ بدبودار اس میں بالفعل کوئی کمال نہیں شہد میں لذت اور مٹھاس ہے شراب دنیوی مزیل عقل ہے اور اخلاق رذیلہ برانگیختہ کرتی ہے۔ حضور نے ان سب کو چھوڑ کر دودھ پی لیا جو علم سے تعبیر ہے۔

تو امت میں بھی علم سرایت کرگیا، کیونکہ قاعدہ ہے کہ استاد کا رنگ شاگرد میں سرایت کرتا ہے اور باپ کے مخفی اثرات اولاد میں پائے جاتے ہیں۔ الولد سرٌ لابیہ (حضور کا ارشاد ہے بچہ باپ کا راز ہے اسکی خفیہ صفات اس میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔) ایک حدیث میں ارشاد ہے: اوتیت علم الاولین والآخرین۔ (مجھے پچھلے اور اگلے سب لوگوں کا علم دیا گیا۔) دوسری حدیث میں ہے: انا مدینۃ العلم۔ (میں تو علم کا ایک شہر ہوں۔) —— تو حضور کا اثر اور پرتو ساری امت پر ہوتا ہے کہ پوری امت علم کی وارث ہے۔ البتہ اتنا یاد رہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں۔ علم مادیات جس میں صنعت وزراعت حرفت طب ڈاکٹری سرجری اور سائنس جغرافیہ وغیرہ شمار ہیں، اور علم روحانیات جس میں تمام علوم مذہبیہ دینیہ داخل ہیں۔ اسی طرح امت کی بھی دو قسمیں ہیں امت دعوت جنہیں حضور کی دعوت متوجہ ہے کہ آؤ قولوا لا الٰہ الا اللہ۔ یہ دعوت الی الاسلام کل دنیا کے باشندوں کے لئے ہے اور قیامت تک آنے والے انسانوں کو ہے۔ وما ارسلناک الا کافۃ للناس۔ (ہم نے نہیں بھیجا تمہیں مگر نوع انسانی کے لئے۔) بشیراً ونذیرا

خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا - تو کل دنیا کے انسان یورپ کے ہوں یا ایشیا کے مشرق کے ہوں یا مغرب کے یا افریقہ کے دور دراز علاقوں کے غیر متمدن وحشی ہوں سب کے سب حضورؐ کی امت دعوت ہے۔ آج بھی حضورؐ کی دعوت انہیں مخاطب کر رہی ہے۔ جیسا کہ چودہ سو برس پہلے تھا۔ مگر اس امت نے دعوت قبول نہیں کی اس لئے کافر ہے۔ اتنی بڑی نعمت کی ناشکری کرنے والی ہے۔ اور جنہوں نے حضورؐ کی دعوت قبول کی ہے وہ امتِ اجابت ہے کہ دعوت کی اجابت میں انہوں نے لا الٰہ الا اللّٰہ محمد الرسول اللّٰہ کہہ دیا ہے۔ ایسی امت کو امت مسلمہ کہا جاتا ہے۔

اصل علوم علوم نبوت تھے جو مسلمانوں کو ملے | علم ساری امت کو حضورؐ کی آمد اور بعثت کے بعد انہی کی برکت سے ملا مگر امت دعوت کو زیادہ حصہ علوم مادیہ کا ملا اور امتِ اجابت یعنی مسلمانوں کو وافر حصہ علوم غیب علومِ نبوت و آخرت کا ملا جو اشرف ترین علوم تھا۔ علوم مذہبیہ میں امت مسلمہ کو جو مقام حاصل ہوا۔ اور جو تحقیقات ہر ہر مسئلہ اور ہر ہر موضوع پر علماء امت نے پیش کئے اس کی نظیر کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی جس کا کچھ حصہ لاکھوں کتابوں اور سینکڑوں علوم کی شکل میں آج بھی موجود ہے اس کا عشرِ عشیر بھی گذشتہ مسلمان امتوں میں نہیں ملتا۔

مادی اور روحانی علوم کا پورا ظہور حضورؐ کے بعد ہوا۔ | اسی طرح امتِ دعوت نے مادی علوم تمدنی مسائل اور سائنسی تحقیقات اور تکوینیات کے مخفی اسرار ظاہر کرنے میں جو ترقی کی اسکی مثال حضورؐ سے پہلے زمانہ کی امتوں میں نہیں مل سکتی۔ الغرض ان تمام علمی کمالات کا ظہور امتِ مطلقہ میں اسی مخزنِ علم کے کمالات کا پرتو ہے جو سید الرسل اور خاتم النبیین ہے صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ پھر ترقی کا یہ سلسلہ کہیں جاکر ختم نہیں ہوگا۔ بلکہ دینی اور دنیوی علوم میں قیامت تک امت ترقی کرتی رہے گی۔ تو جس امت کا پیغمبر سارے علوم اور کمالات کا سرچشمہ ہے اسکی امت، کسی علمی انکشاف اور علمی ترقیات کی کب مخالفت کر سکتی ہے۔ یا علم کی کوئی صحیح نئی بات جامع العلوم نبی کریم علیہ السلام کی تعلیمات کی کب مخالف ہو سکتی ہے۔

خلائی پرواز اور اسلامی تعلیمات | آج کل چاند تک انسان کی رسائی اور پرواز نے ہر فرد کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا دی ہے۔ سائنس کی اس ترقی نے بعض مسلمانوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے اور وہ اس غلط فہمی میں ہیں کہ اس سے اسلامی تعلیمات پر زد پڑتی ہے۔ حالانکہ یہ تو محض ایک سائنسی اور تمدنی ترقی کا مسئلہ ہے۔ زندگی کے تمدنی مسائل میں ہر دور اور ہر زمانہ کے لوگوں میں پچھلوں کی بہ نسبت ترقی ہوتی آرہی ہے اور ہمارے اسلاف نے کبھی اس کو دیکھ کر یہ خیال ہی نہیں کیا کہ اس ترقی سے اسلامی اصول مجروح ہوتے ہیں۔ مثلاً پہلے زمانہ میں سواری کا وسیلہ گھوڑا، خچر اور اونٹ

تھا پھر موٹر اور ریل بنائی گئی رفتہ رفتہ ہوائی جہاز ایجاد ہوئے اب اس میں میزائلوں اور راکٹوں کا اضافہ ہوا اور اس کے بعد بہت ممکن ہے کہ اور بھی تیز رفتار ذرائع سفر پیدا ہو جائیں۔

قرآن کریم میں تیز رفتار سواریوں کیطرف اشارہ | اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا وزینۃ ویخلق مالا تعلمون۔ (اور پیدا کئے اللہ نے گھوڑے، خچر اور گدھے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور ان میں تمہارے لئے زینت بھی ہے اور پیدا کیا ان کے علاوہ ایسی چیزوں کو جنہیں تم نہیں جانتے۔) ویخلق مالا تعلمون مضارع کا صیغہ ہے اس میں قیامت تک وجود پذیر ہونے والی تمام تیز رفتار سواریاں آگئیں۔ اسی طرح سمندری سواری کا ذکر فرما کر بعد کی ایجادات کی طرف اشارہ کر دیا گیا: وآیۃ لھم انا حملنا ذریتھم فی الفلک المشحون وخلقنا لھم من مثلہ ما یرکبون۔ (ان کیلئے قدرت کی نشانی ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کر دیا اور پیدا کیں ہم نے ان کے لئے کشتیوں کی مانند طرح طرح کی چیزیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں۔)

الغرض ان آیات میں تمام نئی نئی بحری بری اور فضائی ایجادات کیطرف اشارہ موجود ہے۔

اسی طرح پہلے بات پہنچانے کا ذریعہ آمنے سامنے بات چیت کا تھا رفتہ رفتہ ترقی ہوئی تو تار ٹیلیفون لاسلکی یہاں تک کہ ریڈیائی لہروں سے کام لیا جانے لگا۔ اور کئی ذرائع کلام پہنچانے کے پیدا ہوئے۔

خلائی تسخیر خالص تمدنی اور سائنسی مسئلہ ہے | خلائی تسخیر کا مسئلہ بھی خالص تمدنی ترقی اور سائنسی تحقیق کا ہے جس میں کامیابی یا ناکامی دونوں کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلام نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ انسان ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے حرکت نہیں کر سکے گا اور نہ یہ کہا کہ خلاء میں ذی روح اجسام کی پرواز ناممکن ہے نہ اُس نے یہ دعویٰ کیا کہ فضاء میں کرۂ نار اور کرہ زمہریر ہے جن سے ذی روح کا گذرنا محال ہے اور نہ یہ کہا کہ زمین کی کشش ثقل سے باہر نکلنا ناممکن ہے یہ باتیں تو فلاسفۂ یونان کی مخترعات ہیں جن کی بطلان اور تردید اسلامی معتقدات ہی نے کر دی تھی۔

قرآن مجید اور لامحدود پرواز | قرآن مجید پلک جھپکنے میں ہزاروں میل مسافت طے کرنے کے نہ صرف امکان بلکہ وقوع کا قائل ہے۔ ملکۂ سبا کا تخت پلک جھپکنے میں حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ قال الذی عندہ علم من الکتاب انا آتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک۔ (اور کہا اس شخص نے جس کے پاس علم تھا کتاب کا میں لا دیتا ہوں تیرے پاس اس تخت کو پہلے اس

کے لوٹ آئے تیرے طرف تیری نظر۔)

اور وہ طرفۃ العین میں تخت لے آئے۔ گویا کہ راکٹ کی تیز رفتاری سے اسلام کو انکار نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر حرکت اور سرعت ممکن ہے۔

باقی رہی ستاروں تک پرواز تو یہ تو آپ کو تمہید سے معلوم ہوا کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اور پھر مدار شرافت اونچی پرواز کرنا نہیں ہے آج خلاء میں بادل پھر رہے ہیں، چیل، گدھ، کوے اور دیگر پرندے جو یعنی فضا میں اڑ رہے ہیں۔ ایک دیو ہیکل جن نے حضرت سلیمان کو تخت سبا چند لمحات میں پہنچا دینے کی پیشکش کی خود انسان عرصہ سے کئی کئی میل اوپر ہوائی جہاز میں پرواز کر رہا ہے تو اب اگر اس پرواز کی حد ڈھائی لاکھ میل خلاء میں چاند تک پہنچ گئی یا آئندہ اس سے بھی بڑھ جائے تو اس میں کیا استحالہ اور تعجب ہے اور قرآن مجید کے کون سے دعویٰ کا مقابلہ ہوا جو باعث حیرت بن جائے، قرآن مجید سے تو جنات تک کا آسمان تک پرواز ثابت ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے سورہ جن میں جنات کی آپس میں گفتگو نقل فرمائی ہے۔ وانا لمسنا السماء فوجدناها ملئت حرسا شديدا وشهبا وانا كنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن يستمع الآن يجد له شهابا رصدا۔ (اور یہ کہ ہم نے ٹٹول کر دیکھا آسمان کو پھر پایا ہم نے اس کو کہ بھرا ہوا ہے سخت چوکیداروں سے اور انگاروں سے اور یہ کہ ہم بیٹھا کرتے تھے ٹھکانوں میں سننے کے واسطے پھر اب جو کوئی سننا چاہے وہ پائیگا اپنے واسطے انگارہ گھات میں۔)

اس کی تفصیل بخاری شریف میں مذکور ہے کہ جنات اور شیاطین حضورؐ کی بعثت سے قبل آسمانی دنیا تک پہنچ کر خفیہ ٹھکانوں میں بیٹھ جاتے تا کہ ملائکہ کی آپس میں گفتگو سن کر اسے کاہنوں اور نجومیوں تک پہنچا دیں اس میں سنی ہوئی کوئی ایک بات تو درست ہوتی تھی اور سو باتیں جھوٹ اور من گھڑت ہوتی تھیں جس کا لوگوں میں مشہور ہو جانے پر اس وقت کے مذہب حق پر اثر پڑتا اس کے بعد دوسرے نبی آجاتے اور وہ اس جھوٹ اور حق سے مخلوط باطل کو باطل کر دیتے مگر حضور اقدس آخری نبی تھے، خداوند کریم کو دین اسلام محفوظ رکھنا اور ثقلین کی زیغ سے بچانا تھا۔ تو حضورؐ کی بعثت کے بعد جنات کا آسمانوں تک پہنچنا روک دیا گیا اور جب جنات اوپر پہنچنے لگتے تو ان پر انگارے اور شہاب ثاقب پھینکے جاتے تاکہ آسمانی باتیں نہ سن سکیں اور دین اسلام خلط ملط نہ ہو اور پکا اور مکمل قیامت تک محفوظ رہے۔ الغرض اس آیت سے آسمانوں تک جنات کی پرواز اور صعود بلکہ آسمانوں کو چھونے (لمس سماء) تک کا ثبوت ہوتا ہے۔ بعض روشن خیال اسکی بھی تاویل کرتے

ہیں جسکی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ نے جنات میں آسمانوں تک پرواز کی صلاحیت رکھی ہے۔ اس لئے جنات وہاں تک پرواز کرتے سکتے جہاں تک ان کی پرواز پہ پابندیاں لگی ہوئی نہ تھیں، اب اگر انسان اپنے علم و تحقیق اور خدا کے دئیے ہوئے وسائل کی بناء پر اوپر چلا جائے تو اس میں کوئی استحالہ نہیں۔

اسلام میں ستاروں تک رسائی کیلئے آسمانوں سے گذرنے کا کہیں ذکر نہیں

یہ غلط ہے کہ ستاروں تک پہنچنے کیلئے آسمانوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ اس لئے کہ اسلام میں کہیں بھی یہ ذکر نہیں کہ چاند آسمانِ دنیا اور سورج چوتھے آسمان پر ہے یا دیگر سیارے فلاں آسمان پر ہیں یا ثوابت سبعہ سیارہ ساتویں آسمان کے نیچے درجہ بدرجہ ہیں یہ فلاسفہ یونان کا عقیدہ اور بطلیموس کا مسلک ہے جس کا ذکر تصریح وشرح چغمنی میں پایا جاتا ہے نہ کہ فلاسفۂ اسلام کا ہم مسلمان نہ تو قدیم فلاسفہ کے معتقد ہیں اور نہ جدید فلاسفہ آئن فلاسفہ کے ابطال آپس میں خود اور فلاسفہ فیثاغورث وغیرہ نے کی ہے اور آج کے سائنسدان قدیم سائنس کو خود لغو اور باطل قرار دے رہے ہیں۔ پھر جدید سائنس دانوں کا آپس میں شدید اختلاف ہے اور ان کے نظریات آپس میں متصادم، تو ہم خواہ مخواہ اسلام کو کیوں ایک فریق بنائیں۔ البتہ اتنی بات واضح ہے کہ آسمانوں کے اندر داخل ہونے کے لئے اجازت لینا پڑتی ہے۔ آسمانوں کے دروازے ہیں جو بند رہتے ہیں۔ اندر جانے والا بغیر اجازت رب العالمین کے نہیں جا سکتا جیسا کہ حدیثِ معراج سے معلوم ہوتا ہے کہ جب جبرئیل علیہ السلام حضور اقدس کو لیکر آسمان کے دروازہ پر پہنچے اور دروازہ کو دستک دی تو فرشتوں نے پوچھا کہ کون ہے؟ انہوں نے فرمایا جبرئیل پھر انہوں نے پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟ من معك قال محمد صلی اللہ علیہ وسلم قيل ارسل اليه قال نعم ففتح - جبرئیل نے فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ تب دروازہ کھول دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ افلاک میں داخلہ بغیر اجازت خداوندی کے نہ فرشتہ کو ہے نہ نبی مرسل کو اور حضور اقدس کا داخلہ آسمانوں میں ہوا مگر اجازت ملنے اور دروازہ کھول دینے کے بعد۔

موجودہ ترقیات کا اثر باطل مذاہب اور فلسفہ پر پڑتا ہے

اب اگر ستاروں کے بارہ میں اسلام نے کہا ہوتا کہ آسمانوں کے اندر ہیں تب تو اشکال درست ہوتا کہ راکٹ اور خلائی جہاز آسمان کے اندر بغیر اجازت خداوندی کیسے داخل ہوئے جو کبھی نہیں ہو سکتے۔ مگر جب ہم بطلیموسی اقوال کے پابند نہیں ہم تو اسلام کے قائل ہیں تو یہ اشکال ہمارے اوپر وارد ہی نہیں ہوتا۔ جن مذاہب نے یہ دعویٰ کیا ہے ان پر اسکی زد پڑتی ہے مسلمانوں پر نہیں۔

تمام ستارے آسمان کے نیچے ہیں

قرآنِ مجید کا تو اعلان ہے کہ ولقد زينا السماء الدنيا

بمصابیح وجعلناھا رجوماً للشیاطین۔ (ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں سے مزین کر دیا اور ہم نے بنایا انہیں شیاطین کو مارنے کی چیز۔)

شیاطین تو آسمانوں تک جا کر باہر رہتے ہیں۔ آسمانوں میں تو داخل نہیں ہو سکتے۔ پھر ان ستاروں سے ان کا رجم تب ہی ہو سکتا ہے کہ ستارے بھی آسمانِ دنیا سے باہر ہوں اور دنیا کی زینت بھی ان ستاروں سے تب ہی ہو سکتی۔ اس لئے تو عبداللہ بن عباس نے فرمایا: النجوم قنادیل معلقۃ بین السماء والارض بسلاسل من نور بایدی الملائکۃ (ستارے لٹکے ہوئے فانوس ہیں آسمان اور زمین کے درمیان نور کی زنجیروں کے ساتھ جنہیں فرشتے تھامے ہوئے ہیں۔) علامہ آلوسی صاحب روح المعانی میں فرماتے ہیں "جدید سائنسدانوں کا قول بھی اس کے قریب قریب ہے مگر ان کے ہاں نور کی زنجیروں کی تعبیر کشش اور مرکز ثقل کے نام سے ہوتی ہے۔ ویقرب منہ قول الفلاسفۃ الجدید لکن بالجذبہ۔ (روح المعانی ج ۱۴ ص ۳۱) سورہ طلاق میں آیت ومن الارض مثلھن کے تحت توصاف تصریح علامہ آلوسی نے کی ہے کہ: ولم یقم دلیل علی ان شیئاً من الکواکب مغروز فی شیئ من السماوات کالفص فی الخاتم والمسمار فی اللوح۔ (اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ کوئی ایک ستارہ بھی آسمان میں ایسا جڑا ہوا ہے جیسا انگوٹھی میں ہیرا یا تختی میں میخ۔)

امام ابوحنیفہؒ کے استاد عطاء بن ابی رباح کا بھی ایسا ہی قول ہے۔ علامہ آلوسی نے سورہ طلاق میں اسرائیلی روایات کی بھی تردید کی ہے کہ اکثر ناقابل اعتماد ہیں۔ باقی جن آیات سے ستاروں کا آسمانوں میں ہونا مترشح ہوتا ہے، اسکی تردید روح المعانی کے مختلف مقامات پر موجود ہے۔ باقی جن آیات سے ستاروں کا آسمانوں کے اندر ہونا مترشح ہوتا ہے اسکی تردید بھی روح المعانی وغیرہ تفاسیر میں موجود ہے اور عموماً ایسے مقامات میں ادنیٰ ملابست کے طور پر یا مجازاً نسبت کی گئی ہے۔

کل فی فلک یسبحون کی تعبیر | مثال کے طور پر قرآن کریم کی آیت کل فی فلک یسبحون سے بظاہر لوگوں نے یہ فہم کیا ہے کہ سب ستارے آسمان میں تیر رہے ہیں مگر علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ اکثر مفسرین نے اس سے مراد اس موج کو لیا ہے جو روک دی گئی ہے آسمان کے نیچے جس میں چاند اور سورج گردش کرتے ہیں فقال اکثر المفسرین ھو موج مکفوف تحت السماء تجری فیہ الشمس والقمر وقال الضحاک ھو لیس بجسم بل مدار ھذہ النجوم۔ حضرت

ضحاک کہتے ہیں کہ فلک سے مراد جسم نہیں بلکہ ان ستاروں کا مدار ہے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے بھی ان احتمالات کو ذکر کرتے ہوئے آیت کو آسمان کے مفہوم میں مبہم قرار دیا ہے۔ الغرض اکثر مفسرین محل کواکب کو جس میں وہ گردش کرتے ہیں تحت السماء تسلیم کرتے ہیں۔ نہ کہ آسمان کے بیچ میں۔ تو روس اور امریکہ کے خلائی پرواز اور چاند تک رسائی کا اگر اثر پڑتا ہے تو یونانی ہیئت اور بطلیموسی فلسفہ یا اسرائیلی روایات پر نہ کہ اسلام پر چاند تو کیا اگر تمام کواکب تک بھی رسائی ہو جائے تو بھی اسلامی تعلیمات پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اسلام کی غیبی تائید سائنس سے ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ ان سائنسدانوں کے ہاتھ سے اسلام کی غیبی تائید کروا رہا ہے۔ اور ان پر اتمام حجت ہو رہی ہے۔ سائنسدانوں نے اربوں روپے خرچ کئے تب کہیں اوزار اور آلات کے ذریعہ چاند سے مشت خاک لائے لیکن سید الرسل اور مسلمانوں کے ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی کے ایک اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے کہ دونوں ٹکڑوں نے مکہ معظمہ کی پہاڑی کو بیچ میں سے لیا پھر اسی طرح رب العزت نے چاند کے دو ٹکڑوں کو ملا دیا اقتربت الساعۃ وانشق القمر وان یروا آیۃ یقولوا سحر مستمر۔ اتنا بڑا کارنامہ جب بلا راکٹ و اسباب اور بغیر کھربوں روپیہ ضائع کئے ظاہر ہوا تو یورپ کے خرد ماغوں نے اس معجزہ کی اب تک ہنسی اڑائی فلاسفہ نے مذاق کیا مگر آج انہیں خود قائل ہونا پڑا کہ تمام سیاروں سے خرق و التیام (پھٹنا اور جڑنا) اور توڑ پھوڑ قبول کرتے ہیں تو حقیقت تو یہ ہے کہ آج کی سائنسی تحقیقات سے اسلامی تعلیمات کی تائید ہو رہی ہے اور بحمد اللہ تعالیٰ جو لوگ معجزات کے منکر تھے اور محال سمجھتے تھے ان دشمنان اسلام کی اپنی تحقیقات سے خدا نے ان کا منہ بند کر دیا ہے۔

قیامت اور معراج کی تائید قیامت جو ان سیارات اور عالم کے فنا اور نیست و نابود ہونے اور نئے سرے سے دوبارہ قائم ہونے کا نام ہے۔ آج تک فلاسفہ اس نظام کو ناقابل تغیر مان کر اسکی قدامت کے قائل تھے۔ اس توڑ پھوڑ سے خود ہی حدوث عالم اور تغیر پذیر ہونے کے قائل ہو سکتے ہیں۔ اسلام نے جب اعلان کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس جسد عنصری کے ساتھ خلاؤں سے اوپر تشریف لے گئے اور ایک رات میں واپس ہوئے تو ان لوگوں نے انکار کیا کہ کروڑوں میل کی مسافت کیسے طے ہوئی اور بغیر آکسیجن کیسے زندہ رہے۔ آج کے خلاء نورد اس جسم کے ساتھ صرف چاند تک پہنچے اور بعض جگہ فی سیکنڈ ہزاروں میل کی رفتار سے پرواز کی۔

تو مَلِکُ الملک جو سموات و ارض کا خالق ہے اس کا اپنے رسول کو پہنچانے میں کیا استحالہ رہا؟

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً (پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو راتوں رات لے گیا۔)

رفع مسیح کی تائید | قرآن مجید نے اعلان کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے۔ بل رفعہ اللہ الیہ۔ مگر جدید تعلیمیافتہ حضرات اسے ناممکن تبلاتے ہیں کہ اس جسم کے ساتھ اوپر کیسے زندگی گذر سکتی ہے مگر آج خود چاند مریخ اور زہرہ میں اپنے لیے الاٹمنٹ کروانا چاہتے ہیں گو ابھی یہ مرحلے بہت دور ہیں، ہنوز دلی دور است۔

آدم علیہ السلام کا نزول | اسلام نے تبلایا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام اسی زمین میں پیدا ہوئے پھر انہیں جنت میں اٹھایا گیا، کچھ عرصہ گذارنے کے بعد خلافت ارض کیلئے انہیں زمین پر اتارا گیا، اس کا بھی ڈارون کی اولاد نے انکار کیا۔ مگر اسلامی تعلیمات نے تو تخلیق انسان حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر اب تک انسانی عروج اور صعود و نزول اور خلا سے گذرتے رہنے کا تصور پیش کیا اور بطور ظہور معجزہ و قدرت خداوندی کے اسکی کئی مثالیں پیش کیں۔

تمام مسلمان ساتویں آسمان سے بھی اوپر جائیں گے | اسی طرح جنت کو لیجئے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام مومنین اور عباد مقربین جنت میں جائیں گے، پھر یہ بھی ذکر ہے کہ قیامت کے دن تمام آسمان اور زمین فنا ہو جائیں گے۔ اس زمین اور آسمان کی جگہ جہنم لے لیگی اور عرش الرحمان کے نیچے اور سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جنت ہوگی جو ساتویں آسمان سے اوپر ہے تو گویا کل مسلمان سابقین و آخرین انشاء اللہ جب جنت میں داخل ہوں گے اور یہ داخلہ جسم اور روح دونوں کا ہوگا۔ تو سب کی پرواز ساتویں آسمان اور اس سے اوپر ہوگی، تب تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ تو افسوس ہے کہ ایک ایسی امت اعداء اسلام کے لایعنی کارناموں سے مرعوب ہو یا اسے ناقابل تسلیم سمجھے حالانکہ یہ تو صعود اور پرواز کا ادنیٰ درجہ ہے، جو بطور اتمام حجت مادیت پرست قوموں کے ہاتھ پر ظاہر ہو رہا ہے۔

کونسا مسئلہ حل ہوا | پھر اس "عظیم کارنامے" سے کونسا انسانی مسئلہ حل ہوا، بھوک افلاس بیماری ختم ہوگئی۔ بغض عناد کینہ اور خانہ جنگی ختم ہوئی، طبقاتی اور رنگ و نسل کے جھگڑے ختم ہوئے؟ انسانیت کو کونسا فائدہ ہوا۔۔۔؟ کچھ بھی نہیں باہمی عداوت اور منافرت اور بھی بڑھ گئی ایک دوسرے پر فخر و غرور کیا جانے لگا پھر نتیجہ میں کونسا خاص تحقیقی انکشاف ہوا جس نے عالم کو حیرت میں ڈال دیا ہو۔ یہی کہ چاند عناصر سے مرکب خاکستری یا سرمئی رنگ کی چیز ہے جو سورج سے روشنی لے کر دنیا کو منور کرتی ہے مگر یہ تصور تو ظنی طور پر فلاسفۂ قدیم نے پیش کیا تھا۔ تصریح اور شرح چغمنی اٹھا کر دیکھیں اس وقت سے انہوں نے اپنا خیال ظاہر کیا ہے کہ جرم قمر خاکستری ہے۔

اور یہ عربی مقولہ تو زبان زد ہے کہ نور القمر مستفاد من نور الشمس۔ (چاند کی روشنی سورج کی روشنی سے حاصل کی گئی ہے۔)

باطل مذاہب متاثر ہوئے | گو ہماری نگاہ میں اس کارنامہ سے ایک ہی فائدہ تو حاصل ہوا وہ یہ کہ باطل مذاہب لرزہ براندام ہیں۔ یہودیت اور نصرانیت پر زلزلہ آگیا ہے اور آج کے اخبارات میں ہے کہ یہودیوں نے تو اپنی بعض عبادات میں ترمیم کر دی ہے۔ اور کلیسا والے بھی واویلا کر رہے ہیں۔ فلاسفۂ یونان کی تغلیط ہو گئی۔ معجزات سے منکر شرمندہ ہوئے۔ مگر اسلام کی تو سراسر تائید ہی تائید ہو گئی کوئی مسئلہ اور کوئی عبادت نہ متاثر ہوئی اور نہ قیامت تک متاثر ہو سکے گی۔ لاتبدیل لکلمات اللہ ذلک الدین القیم۔ یہ تو دین قیم ہے اور قیامت تک باقی رہنے والا دین ہے۔ خداوند کریم نے اتمام حجت نہ صرف دلائل سے بلکہ اس زمانہ کی سائنس کی بدولت حواس اور مشاہدہ سے بھی کرا دی۔

وحی اور اسلام کے دیگر دعوؤں کی تائید | جب اسلام نے اعلان کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں سے اوپر کی چیزیں نظر آتی تھیں اور وحی و الہام کے ذریعہ انبیاء کرام رب العزت کی باتیں سن سکتے تھے۔ تو اس کا انکار کیا گیا اور آج ڈھائی لاکھ میل دور خلائی جہاز والوں کے ساتھ گفتگو ہو رہی ہے، ٹیلی فون کئے جاتے ہیں، اور ایک انسانی ایجاد ٹیلیویژن کے ذریعہ ڈھائی لاکھ میل دور کے حالات کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم روحانی قوت کے ساتھ بغیر آلات و وسائل کے کیوں جبرئیل امین اور خداوند کریم سے ہمکلام نہیں ہو سکتے اور اگر انہیں آسمانوں کا مشاہدہ ہو رہا تھا تو کیا تعجب تھا۔

معجزہ امکان کی دلیل ہے | اتنی بات یاد رہے کہ انبیاء کرام کے ہاتھوں ایسے امور کا ظہور بلاشبہ معجزہ تھا، جو بغیر آلات و وسائل کے ہوا جو کسی کے بس میں نہیں، مگر اس سے بہرحال یہ تو ثابت ہوا کہ ذی روح جسم کا رفع الی السماء ممکن ہے۔ اس لئے کہ معجزہ نام ہے اس کا کہ کسی امر کا ظہور بطور خرق عادت کے ہو جائے نہ کہ کسی محال کو ممکن بنا دے۔ اب اگر کوئی وسائل اور ذرائع کے ذریعہ سے ایسا کر دے تو یہ ممکن ہے مگر اسے معجزہ نہیں کہا جا سکتا۔ مثلاً ایک شخص بغیر وسائل و ذرائع کے کراچی پہنچ جائے تو یہ اس کی کرامت ہے۔ اور اگر ریل موٹر جہاز وغیرہ کے ذریعہ جائے تو اسباب عادیہ کا یہ عمل خرق عادت نہیں تو اس کو کرامت نہیں کہا جا سکتا۔

قرآن کریم کا بنیادی مقصد | رہا یہ امر کہ موجودہ ترقیات کا ذکر قرآن مجید میں صراحۃً کیوں نہیں تو

باقی صفحہ ۲۲ پر

بتقریب آمد صاحبزادۂ شیخ الاسلامؒ
مولانا محمد اسعد مدنی

حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچی

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا السید حسین احمد مدنی قدس سرہ

حکایت از قدآں یار دلنواز کنم
بایں بہانہ مگر عمر خود دراز کنم

نام لقب اور حسب ونسب حضرت کا نام نامی حسین احمد بن حبیب اللہ ہے، نسباً سید ہیں اور حسباً اپنے آخری مورث اعلیٰ جد الاولیاء باب العلم، امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے صحیح جانشین ــــ تاریخی نام چراغ محمد اور لقب امیر الہند تھا مگر، آخر میں دینی خدمات کثیرہ اور علمیہ کے صلہ میں شیخ الاسلام کی دیبائی قبا طلعت زیبا پر زیادہ موزوں ثابت ہوئی ــــ والحق انہ کان احق بہ واھلہ ۔ ع این قبائیست کہ بر طلعت شان دوختہ اند۔

مولد اور مہاجر مولد قصبہ بانگر مئو ضلع اناؤ الہند ہے اور مہاجر مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

ولادت وصال عمر اور مرقد ولادت باسعادت ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۹ء کو ہوئی، ۸۲ سال کی عمر میں ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۷ء ۵ دسمبر ظہر پنجشنبہ کو راہی عالم قدس ہوئے شب جمعہ جوف لیل آخر کی رحمت بیز گھڑیوں میں آغوش رحمت میں آرام فرما ہو کر نم کنومۃ العروس کی صدائے رحمانی سے سرفراز ہوئے ــــ اللھم نور مضجعہ ونور مرقدہ ــــ ولا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہٗ

ــــ مرقد اطہر مقبرہ قاسمی دیوبند (بھارت) میں زیارت گاہ عشاق ہے۔

برق رفتار ارتقاء قشر پرست دنیا کا خیال ہے کہ ترقی نام ہے ظاہری جاہ وجلال کا اور دنیوی مناصب ومراتب کا، مگر حقیقت بین نظروں میں یہ ایک ایسا فریب ہے جس سے ہر ایک عاقل کو پورے حزم واحتیاط سے بچنا چاہئے ۔ وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور ــ دراصل علم وعمل ہی انسان کی ایسی دو قوتیں ہیں کہ اگر ان پر نبوت کے علم وعمل کا پرتو پڑ جاتا ہے ۔ تو

انسان انسانیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچ کر صحیح ترقی یافتہ کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی ارتقائی قوت کتنی برق رفتار واقع ہوئی تھی، اس کا تھوڑا سا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اردو مڈل کی تعلیم سے فارغ ہو کر جب فارسی عربی تعلیم کی طرف توجہ فرمائی تو صرف اٹھارہ سال کی عمر میں حدیث، تفسیر، فقہ، اصول، منطق، فلسفہ، ریاضی وغیرہ تمام علوم متداولہ سے فراغت پا کر دستارِ فضیلت کو زیب سر فرمایا، اور علم بھی وہ کہ بقول شمسی صاحب ؎

بنگر کہ حیران اہل درحیرت دعار آمدہ ... زاں نازش علم وعمل آرائش بزم ازل

اور عمر کے بائیسویں ہی سال عین عنفوانِ شباب میں نسبت باطنیہ کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچے کہ مرشد کامل شیخ گنگوہیؒ نے خلعت خلافت سے نوازا۔ شمسی صاحب ہی کا قول ہے ؎

مسند نشین علم دیں کیخسرو اہل الیقیں ... شاہنشہ دنیا و دیں حبرے زاحبار آمدہ

بیاسی سالہ لمحات حیات کی بین الملکی تقسیم | امام المرسلین حضرت خاتم النبیین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ وسعتیں سب جانتے ہیں کہ زمان و مکان کی حدود سے بے نیاز ہیں۔ یہاں اسود و احمر کا فرق نہیں اور بیت و برو مدر میں کوئی امتیاز نہیں، آفتاب عالمتاب کی ضیا بخشیوں میں شرق وغرق کا کیا سوال ؎

در فیض محمد وا ہے آئے جسکا جی چاہے ... نہ آئے آتش دوزخ میں جائے جسکا جی چاہے

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا۔ حضرت مدنیؒ کی فنافی الرسول شخصیت کو بھی حق تبارک وتعالیٰ نے بحیثیت ایک سچے وارث رسولؐ کے اشاعتِ علوم اور اصلاح ظاہر و باطن میں وہ توفیق عطا فرمائی کہ بیاسی سالہ لمحات حیات ایک طرح کی بین الملکی نوعیت سے تقسیم ہو گئیں۔ شمسی صاحب نے کہا ہے ؎

از فیض آں فخر زماں سرسبز شد ہندوستان

نے نے کہ آفاق جہاں چوں بزم عطار آمدہ

چنانچہ ۱۔ حیات طیبہ کے پانچ سال بہ سلسلہ تعلیم شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ کے پاس دار العلوم میں گذرے۔ ۲۔ گیارہ یا چودہ سال علی اختلاف الروایات روضہ خضراء علی ساکنہا الصلوٰۃ والسلام کے جوار پر انوار میں درس حدیث دیکر شیخ الہند والحجاز کا لقب پایا۔ ۳۔ چھ سال سلہٹ بنگال میں جامعہ اسلامیہ کے شیخ الحدیث رہے اور ۴۔ پوری تہائی صدی تیس سال تک دنیائے اسلام کی مایہ ناز واحد عظیم الشان یونیورسٹی ازہر ہند دار العلوم دیوبند کے بیک وقت

صدر المدرسین، شیخ الحدیث اور کافی عرصہ تک اسی کے ساتھ ساتھ ناظم تعلیمات کی حیثیت سے وہ خدمات عظیمہ سرانجام دیں کہ دیکھنے والا بے ساختہ بول اٹھے۔ ؏

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

شمسی صاحب کا ارشاد ہے ؎

زاں حضرت جمشید جاہ یکسر بناز و تخت گاہ تعلیم و نظام مدرسہ تازہ چوں ذخار آمدہ

حقا کہ آں شیخ الحرم علامہ شبلی شمیم ؎

رشک عرب فخر عجم چوں گل بہ گلزار آمدہ

رزم و بزم کا حسین امتزاج | اسی پر بس نہیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ بااللیل رہبان و بالنہار فرسان کی چونکہ جیتی جاگتی تصویر تھے، اس لئے اسی کے ساتھ ساتھ غالباً بیس سال تک مسلسل جمعیت علماء ہند جیسی مجاہد اور سربکف جماعت کے عہدۂ صدارت کو بھی شرف بخشتے رہے۔ اور اسطرح عرب و عجم اور ہند و ترک تک دین محمدی کے پیغام پہنچانے والے شیخ الکل کی عمر عزیز کے پورے پندرہ سال جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں سنت یوسفی کے نذر ہوتے، کفر آپ کی للکار سے لرزہ براندام رہا اور اہل حق آپ کے سہارے ہمیشہ کامگاری سے ہمکنار رہے۔ بقول شمسی صاحب ؎

از ہیبت آں شیر نر پیوستہ نوحہ گر لرزہ فتادہ در جگر بد خالہ کردار آمدہ

حقیقت یہ ہے کہ رزم و بزم کے امتزاج کا یہ حسین نظارہ صدیوں بعد چشم فلک کو نصیب ہوا جسکی آخری بہار ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء کو ختم ہو گئی۔ ؏ اب انہیں ڈھونڈھ چراغ رخ زیبا لیکر۔

اخلاق حسنہ کی ایک جھلک | حضرت سدرہ نشین ہو کر اپنے مجاہدات ریاضات اتباع سنت اور زندگی بھر خدمت دین کرنے کا بہترین صلہ پا رہے ہوں گے ـــ جزاہ اللہ احسن عمل و یزیدہ من فضلہ ـــ آپ کو ہماری تحسینات کی ضرورت نہیں رہی۔ فانہم وجدوا ما وعدہم الیہم حقا ہمیں ضرورت ہے اس کی کہ آپ کے اخلاق حسنہ کو اپنائیں جس سے ایک طرف اپنی عاقبت سنور سکتی ہے اور دوسری طرف آپ کی پاک روح کو خوش کیا جا سکتا ہے۔

حضرت کے زہد و ورع، تقویٰ و خشیت، انابت الی اللہ، جود و سخا، دینی غیرت، جہاد فی سبیل اللہ، عفو و مرحمت، دلیری اور جرأت، صاف گوئی اور صاف دلی اور نہ معلوم انسانی شرافت کے کیا کیا عنوان ہیں جنہیں حق تعالیٰ نے اس مجمع الحسنات والکمالات میں جمع

فرما دیئے تھے۔ آپ کی زندگی میں ان سب کے بیسیوں واقعات پڑھے اور دیکھے جا سکتے ہیں ——— ان سے مدرس فرائض تدریس سیکھ سکتا ہے۔ مرشد مسند ارشاد کی تکمیل کر سکتا ہے۔ لیڈر اور قائد قومی پیرو بن سکتا ہے۔ مجاہد حق و باطل کی معرکہ آرائی میں سب سے آگے بڑھ سکتا ہے۔ غرض آپ کی زندگی کیا ہے، فنونِ استقامت کی ایک جامع اور مانع کتاب۔

حضرت مدنی بحیثیت ایک مدرس کے | ذیل کے واقعات منثورہ میں اسکی ایک جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔

الف ——— امیر العلماء حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم کا بیان ہے کہ مرض الوفات میں حضرت جب درس دینے سے معذور ہوئے اور حسب ضابطہ مدرسہ ایام مرض کی تنخواہ پیش کی گئی اس وقت علاج معالجہ چھوڑ کر حضرت کے عام اخراجات کا اندازہ ماہانہ ایک ہزار روپیہ سے زائد ہی تھا پسماندگان کیلئے کوئی ترکہ بھی نہیں چھوڑ رہے تھے تقریباً ڈیڑھ ہزار روپیہ کی رقم جب دار العلوم سے پیش کی گئی تو حضرت نے یہ کہہ کر واپس فرما دی "جب میں پڑھا نہیں رہا تو تنخواہ کاہے کی لوں"

حضرت مدنیؒ بحیثیت ایک قومی کارکن کے | مولانا ظہور الحسن صاحب کا بیان ہے کہ حضرت جب سیوہارہ کانگریس کے ایک جلسہ میں تشریف لائے اور ہم نے حسب تجویز کمیٹی ایک سو روپیہ کرایہ اور سفر خرچ کیلئے پیش کیا تو حضرت نے تیسرے درجہ کا کرایہ بلا خادم اور نہایت ہی سادہ چند آنوں کے سفر خرچ کا بل بنا کر دیا اور بقیہ رقم واپس کر دی، منتظمین نے اصرار کیا تو آپ نے دریافت فرمایا: یہ خرچ آپ اپنے جیب سے دے رہے ہیں یا عام چندہ ہے۔ عرض کیا گیا چندہ ہے مگر لوگوں نے ہم پر اعتماد کیا ہے۔ اور حسب صوابدید صرف کرنے کا مجاز بنایا ہے ——— ارشاد ہوا:

"آپ کو عام لوگوں کا چندہ اس بے دردی سے صرف کرنا جائز نہیں ہے اور رقم واپس کر دی"

حضرت مدنی بحیثیت ایک غیور اور خود دار عالم کے | مولانا موصوف ہی کی روایت ہے کہ مجھے ایک دفعہ معلوم ہوا کہ حضرت زیادہ مقروض ہیں تو میں نے حیدر آباد دکن میں نواب فخر یار جنگ سے ذکر کیا، طے یہ پایا کہ حضرت حیدر آباد تشریف لے آئیں متعلقہ وزراء سے حضرت کی ملاقات کرا کر محکمہ متعلقہ سے پانچ ہزار روپیہ کی امداد دلائی جاوے حضرت کو لکھا گیا تو جواباً تحریر فرمایا: مجھے

اس ذلت کے ساتھ ایسی رقم کا لینا منظور نہیں "

حضرت مدنی بحیثیت ایک قومی لیڈر کے | سیاسی بحران میں حضرت کے مخالفین جب شرافت انسانیہ کی حدود سے گذر کر گستاخیاں کرنے لگے حتیٰ کہ ایک جلسہ میں سنگ باری شروع کردی اور بعض جان نثاروں نے حضرت کے وقایہ بننے کی کوشش کی کہ کہیں تکلیف نہ پہنچ جائے تو آپ نے ان کو سختی سے بیٹھ جانے کا حکم دیا اور فرمایا: "حسین احمد کا سر آپ حضرات کے سروں سے زیادہ قیمتی نہیں۔" اور اسی سنگ باری کی حالت میں نہایت دلیرانہ اور مجاہدانہ تقریر فرمائی۔

حضرت مدنی بحیثیت رحمۃ للعالمینؐ کے ایک غلام کے | ایک دفعہ ایک خادم نے ان مخالفین کی ہجو میں نظم لکھی اور بغرض اشاعت المدینہ بجنور کے دفتر میں بھیجی، اتفاقاً حضرت دفتر المدینہ میں تشریف فرما تھے، نظم نظر سے گذری۔ فرمایا:

"بھائی میرے ساتھ جس کسی نے جو کچھ کیا ہے یا آئندہ کرے گا، میں سب کو معاف کر چکا ہوں، آپ میری وجہ سے کسی کو بُرا بھلا نہ کہیں نہ بد دعا دیں۔"

حضرت مدنی بحیثیت ایک مرشد اور متقی کے | حضرت مولانا خدا بخش صاحب ملتان کا بیان ہے کہ ہم نے ایک بار حضرت کے بیٹھنے کے لئے ایک گدا بچھایا، گدے پر ایک دوتہی بچھا دی، یہ دوتہی چوخانی تھی اور اسطرح کہ جمع کا نشان (+) اس کے خانوں میں بن جاتا تھا، حضرت نے فرمایا: اس پر نہیں بیٹھوں گا، اس میں جگہ جگہ صلیب نما نشان ہیں۔

حضرت مولانا محمد میاں صاحب کا بیان ہے کہ حضرت نے جماعت کا لیٹر فارم اپنے ذاتی کام کیلئے استعمال نہیں فرمایا۔

فی الحال ایں بس است در خانہ اگر کس است

کتاب کی ضبطی پر مبارکباد | ڈاکٹر فضل الرحمان کی رسوائے زمانہ کتاب "اسلام" کی ضبطی کا حکم صادر فرمانے پر دارالعلوم میں خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا گیا حضرت شیخ الحدیث صاحب نے صدر مملکت اور انکی انتظامیہ کے ممتاز ارکان کے نام ایک مکتوب میں اس اقدام پر نئی حکومت کا شکریہ ادا کیا ہے دیگر غیر دینی امور مثلاً عائلی قوانین وغیرہ کی فوری تنسیخ کا بھی مطالبہ کیا گیا اور آئندہ کیلئے ایسے دل آزار مواد کی اشاعت کے مستقل انسداد کی اپیل بھی کی گئی۔　　~~~~ (ادارہ) ~~~~

مجوّزہ تعلیمی پالیسی اور چند مشورے

مولانا محمد اشرف خان ایم۔ اے
صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج پشاور یونیورسٹی

موجودہ حکومتِ پاکستان کی تعلیمی پالیسی کی تجاویز کا جو خاکہ نظر سے گزرا، اس بارے میں چند معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں۔

۱۔ موجودہ پالیسی کی اکثر تجاویز حوصلہ افزا ہیں۔ مشنری سکولوں کو حکومت کی تحویل میں لینا قابلِ مبارکباد ہے۔

۲۔ اسلامیات کی تعلیم | بندہ کے نزدیک میٹرک کی بجائے بی۔ اے تک آرٹس کے طلبہ کے لئے اسلامیات کی تعلیم لازمی ہونی چاہیئے۔ اور دوسری کلاس میں ترقی کے لئے اسلامیات میں پاس ہونا لازمی قرار دیا جائے۔ جو اہمیت اس وقت انگریزی تعلیم کو دی جارہی ہے کم از کم وہی اہمیت اسلامیات کی تعلیم کو دی جائے۔

۳۔ سائنس اور پیشہ ورانہ کالجوں کے طلبہ کیلئے میٹرک یا PRE-MEDICAL اور PRE-ENGINEERING کی کلاسوں تک تو اسلامیات کا کورس ایک ہی ہو، اس کے بعد بھی آخر تک پیشہ ورانہ اور دوسرے شعبوں میں ایک پرچہ اسلامیات کا ضرور رکھا جائے تاکہ اسلام (جو کہ پاکستان کی بنیاد ہے) سے طلبہ کا رابطہ قوی رہے۔

۴۔ عربی اسلامیات کے جزو کی حیثیت سے | چوتھی جماعت تک ناظرہ قرآن اور ضروری دینی و اخلاقی مسائل بچوں کے ذہن نشین کرا دیئے جائیں اور پانچویں جماعت سے آٹھویں جماعت

عربی کو اسلامیات کا لازمی جزو قرار دے دیا جائے، اور اسکی تقسیم اس طرح ہو کہ مثلاً اگر سو نمبر کا اسلامیات کا پرچہ ہے تو پچاس نمبر خالص دینیات کیلئے اردو یا بنگلہ زبان میں ہوں اور پچاس نمبر عربی زباندانی (جو قرآن وحدیث پر مبنی ہو اور درجہ کے معیار کے مطابق ہو) کے لئے مقرر ہوں۔ میٹرک کی کلاسوں میں سو نمبر دینیات اور سو نمبر عربی زبان کے ہوں۔ جو ادبیات اور قرآن حدیث وسیرت وغیرہ پر مبنی ہو۔ میٹرک کے بعد اسلامیات عربی کتاب کے ذریعہ پڑھائی جائے۔

عربی میں اسلامیات پڑھانے کا فائدہ یہ ہوگا کہ ۱۔ ہم قرآن وسنت کو اپنے ماخذوں سے معلوم کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ ۲۔ اسلامی قانون وتاریخ اور اپنے دینی ورثہ سے ہمارا تعلق قائم ہو جائے گا۔ اور قدیم علماء اور جدید تعلیمیافتہ طبقہ میں جو خلیج حائل ہے وہ کم ہو جائے گی۔ ۳۔ اسلامی خصوصاً عرب ممالک اور انڈونیشیا سے ہمارا رابطہ قوی ہو جائے گا۔ ۴۔ ہمارے مختلف فنون کے ماہرین کی مانگ عرب ممالک میں ہے انہیں ملازمت کے مواقع زیادہ میسّر آئیں گے اور عرب ممالک میں زندگی گذارنے میں آسانی ہو جائے گی۔ نیز ان ملکوں کو ہماری عربی زباندانی کی وجہ سے زیادہ فائدہ ہوگا۔

۵۔ اسلامیات کا نصاب قومی پیمانہ پر مرتب کیا جائے یعنی پہلی سے لے کر انتہائی جماعتوں تک مشرقی ومغربی پاکستان کے دونوں حصوں میں ایک ہی نصاب رائج کیا جائے، تاکہ پاکستانی ملت "اسلامی وحدت" کے ایک ہی نظریہ کے مطابق نشو ونما پائے۔

۶۔ **عربی مدارس ودار العلوم** مختلف عربی مدارس و دار العلوم ملک کے دونوں حصوں میں اسلامی تعلیمات کے مرکز ہیں۔ ان مدارس کو موجودہ نظام تعلیم میں کلیۃً مدغم نہ کیا جائے۔ بلکہ ان کے خاص معیار کو علماء کی نگرانی میں قائم رکھتے ہوئے ان کا مستقل وجود باقی رکھا جائے اور انہیں اسلامی تعلیم کی مہارت اور تکمیل کے مراکز قرار دے کر ان کی سندات کو تسلیم کیا جائے۔ دینی مدارس اور دار العلوموں میں جدید دنیاوی علوم پڑھانے کے لئے دو صورتیں ہو سکتی ہیں:۔

الف: ان مدارس میں داخلہ کے لئے عام سکولوں کے آٹھویں پاس طلبہ کو داخلہ دیا جائے اور ان کے کورس میں معاشرتی و عمرانی علوم۔ اقتصادیات۔ سیاسیات (POLITICAL SCIENCE) معلومات عامہ (تاریخ وجغرافیہ) اور کوئی ایک مغربی زبان قانون اور مطالعہ تقابل ادیان کو شامل کر لیا جائے۔ لیکن یہ علماء کرام کے مشورے کے بعد ہو۔

ب۔ دار العلوم اور دینی مدارس اپنا نصاب اسی طرح مکمل کراتے رہیں۔ (یہ بات ذہن میں

رہے کہ اکثر مدارس عربیہ میں کل زمانۂ تعلیم آٹھ یا نو سال ہوتا ہے) فراغت کے بعد تین سال کا ایک خاص نصاب ان کے اساتذہ کے مشورہ سے مقرر کیا جائے جس میں فارغ التحصیل حضرات کو علوم حاضرہ سے شناسا کرایا جائے اور محوّلہ بالا علوم کی تعلیم دی جائے۔ جن مدارس میں دینیات کے خاص شعبوں کے تخصص کا سلسلہ قائم ہے، ان میں تخصص کے بعد یہ چیزیں شامل کی جا سکتی ہیں۔۔۔۔۔۔

نوٹ:۔ پاکستان کی بنیاد اسلام اور اسلامی نظریہ حیات پر قائم ہے اس لئے پاکستان میں ایسے مدارس کا قیام و بقا مملکت کی بقا و حفاظت کا ضامن ہے، جو پاکستانی نظریہ حیات یعنی اسلام کی صحیح تعلیمات میں مہارت رکھنے والے حضرات کو پیدا کر سکے، پچھلے ڈیڑھ سو سال کی تاریخ شاہد ہے کہ اسلامی علوم کے ماہر اور عربی کے سکالر انہیں مدارس سے پیدا ہوتے رہے ہیں اور اسلامی رہنمائی ملت نے انہیں سے حاصل کی اور عامۃ الناس کا دینی علوم کے بارے میں اعتماد بھی انہیں مدارس کے فارغ التحصیل علماء پر رہا، بہرحال دنیاوی علوم کی جو کمی محسوس کی جاتی ہے اس کا ازالہ یوں ہو سکتا ہے کہ ان مدارس کے نصاب میں نئے علوم کو شامل کر لیا جائے۔ اور ان میں سے خاص اور مقتدر دارالعلوموں کو مستقل یونیورسٹیاں قرار دے کر "دینی علوم" کے مراکز کا درجہ انہیں دیا جائے اور ان کی سندات کو معیاری قرار دے کر قبول کر لیا جائے۔ اس بارے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان مدارس کے اخراجات عموماً عام لوگ PRIVATE طور پر مہیا کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے ملک کا خزانہ عامرہ بھی ان اخراجات کے بوجھ سے بچا رہتا ہے۔ اور افراد امت علم سے بہرہ ور ہوتے رہتے ہیں۔

لھذا سرکاری خزانے پر مزید بوجھ ڈالنے کی بجائے ان کا نظم و نسق اور ذریعہ آمدن پبلک باڈیز اور انتظامیہ کمیٹیوں کے ہاتھ میں بحال رکھا جائے۔ خصوصی طور پر یہ بات ملحوظ رکھی جائے کہ ان مدرسوں میں دینی فضا اور دینی رجحانات دنیاوی علوم سے زیادہ ہوں۔ اور ان کا نظم و نسق بھی باعمل علماء کے ہاتھ میں ہو۔

۷۔ اردو اور بنگالی کی تعلیم اور رسم الخط:۔ ذریعہ تعلیم کی انگریزی سے قومی زبانوں میں تبدیلی قابل مبارکباد اور مستحسن تجویز ہے۔ اس طرح قومی یکجہتی کے لئے مغربی پاکستان میں بنگالی کی تعلیم (چھٹی سے دسویں تک) اور مشرقی پاکستان میں اردو کی تعلیم کی تجویز بھی خوش آئند ہے۔ اس سلسلے میں اگر اردو (جو فارسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے) اور بنگالی (جو دیوناگری رسم الخط میں لکھی جاتی ہے) کو عربی رسم الخط میں لکھا جائے تو طلبہ جو کہ قرآن کے حروف سے آشنا ہو چکے ہونگے ان کیلئے پڑھنے میں آسانی ہوگی۔ مزید براں

یہ اقدام قومی یکجہتی میں ممد ہوگا اور مرور ایام کیساتھ ایک نئی پاکستانی زبان (جس پر قرآنی اور عربی الفاظ کی چھاپ زیادہ ہوگی) پیدا ہو جائے گی۔ (اگر ضرورت سمجھی جائے تو کچھ عرصہ کے لئے اردو کی نصابی کتب کو عربی اور فارسی رسم الخط اور بنگالی کو عربی اور بنگلہ رسم الخط دونوں میں چھاپا جائے۔ اور طلبہ کو اختیار دیا جائے کہ جس رسم الخط میں وہ ان زبانوں کو پڑھنا چاہیں پڑھیں۔) ——— نوٹ :- جو حروف عربی رسم الخط میں نہیں اور ادائیگی تلفظ کیلئے ان کی ضرورت لابدی ہے وہ عربی میں نکتوں یا دیگر نشانات کے ذریعہ سے پڑھائے جاسکتے ہیں، جیسے جدید عربی میں انگریزی کے "V" کے لفظ کو ایک نئے لفظ "ڤ" سے ادا کیا جاتا ہے۔ "ف" پر ایک نقطہ مزید بڑھا دیا ہے۔ اس بات پر ماہرین فیصلہ کر سکتے ہیں۔

۸۔ انگریزی میڈیم کے پبلک سکول | ایسے سکولوں کا بالکلیہ خاتمہ ضروری ہے کہ وہ "پاکستانی قومیت" میں ایک "نئی قومیت" کو پیدا کرنے کا سبب ہے۔ جبکا ذہنی پس منظر پاکستانی اور اسلامی روایات سے جداگانہ ہوتا ہے۔ اور ایک طرف "احساس برتری" کا شکار ہو کر قوم کے عام طبقات سے اپنے کو مافوق سمجھتے ہیں، دوسری طرف خصوصی مراعات کی وجہ سے ملک کے اہم عہدے پر فائز ہو کر قومی احساسات وضروریات سے ناواقف ہونے کی بناء پر ملک کے عوام وحکومت کیلئے مشکلات ومسائل پیدا کرتے جاتے ہیں۔

۹۔ اسلامی تربیتی دارالاقامے | کنڈر گارڈن سے لیکر یونیورسٹی تک جہاں وسائل مہیا ہوں اور ہاسٹل موجود ہوں۔ طلبہ کے لئے اساتذہ کی نگرانی میں ایسا ماحول مہیا کیا جائے کہ انکی نگہداشت وپرداخت اسلامی اور ملی نظریات کی حامل اور اسلامی طرز وقومی ثقافت وورثہ کے مطابق ہو۔ ان تمام چیزوں کی حوصلہ شکنی کی جائے جو پاکستان کے بنیادی نظریہ کے خلاف ہیں۔ خصوصاً ابتدائی زمانۂ تعلیم میں مضامین کا بوجھ لادنے کی بجائے قرآن کریم، اخلاقیات، زبان دانی اور سیرت وکردار کی اہمیت پر زور دیا جائے۔

۱۰۔ قومی تعلیم کور "کے بارے میں "عورتوں" کی شمولیت ہمارے خاص ماحول کی بناء پر محل نظر ہے۔ "عورتیں" اپنے خاص ماحول میں "عورتوں" ہی میں یہ خدمت انجام دے سکتی ہیں۔ عمومی "تعلیمی کور" میں انکی شمولیت مختلف مسائل کا سبب بن جائیگی۔ "قومی تعلیمی کور" کی بنیاد پر "قومی تبلیغی کور" کا قیام بھی مستحسن ہوگا، کہ اسلامی نظریات واخلاق (جو پاکستان کی بنیاد ہے) کا پرچار ملک کے کونے کونے میں کیا جائے۔ چونکہ پاکستان دشمن ممالک سے گھرا ہوا ہے اور لڑائی کا ہر وقت خطرہ موجود ہے اس لئے یہ بہت مناسب ہوگا کہ ہر پاکستانی کو سکول اور کالج کے زمانہ تعلیم میں فوجی تعلیم وتربیت دی جائے تاکہ اچانک لڑائی کے موقع پر وہ ملک وقوم وملت کے دفاع میں حصہ لے سکے۔ یا ترکی کیطرح فوجی تعلیم ہر شخص کیلئے لازمی قرار دی جائے اس سے دفاعی مقاصد کے علاوہ قوم میں نظم، طاعت امر اور اتحاد بھی پیدا ہوگا۔

امید ہے ان گذارشات پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائیگا اور اب جبکہ تعلیم کو نئی بنیادوں پر استوار کیا جا رہا ہے ان تمام چیزوں سے بچنے کی کوشش کی جائیگی، جو قومی یکجہتی اور اسلامی نظریات کیلئے کل درد سر بن جائیں کہ بقول اکبر الہ آبادی

شیخ مرحوم کا یہ قول مجھے یاد آیا   دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایڈیٹر اسلامک ایجوکیشن لاہور

تسخیرِ کائنات

خدا کے وجود کی شہادت

سائنس کائنات کے اس علم کا نام ہے جو ہمیں مظاہر قدرت کے مشاہدہ اور مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ مظاہر قدرت کی تین بڑی قسمیں ہیں: مادی مظاہر قدرت، حیاتیاتی مظاہر قدرت، اور نفسیاتی یا انسانی مظاہر قدرت۔ اس تیسری قسم میں انسان کا شعور یا ذہن اور اس سے پیدا ہونے والے انسانی اعمال و افعال شامل ہیں۔

جو چیز سائنس کو ممکن بناتی ہے وہ یہ ہے کہ مظاہر قدرت کے اندر ایک نظم (ORDER) پایا جاتا ہے جو ہر وقت اور ہر مقام پر یکساں رہتا ہے۔ سائنسدان جو کام کرتا ہے وہ فقط یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مشاہدات سے اس نظم کو زیادہ سے زیادہ تفصیل کے ساتھ دریافت کر کے ضبط تحریر میں لاتا رہتا ہے، دراصل سائنسدان کی تحقیق اس شعور پر مبنی ہوتی ہے کہ قدرت کے مظاہر کے اندر ایک ایسا نظم موجود ہے جو کہیں اور کبھی نہیں ٹوٹتا۔ اگر سائنسی تحقیق کے کسی راستہ پر نظم کو دریافت نہ کیا جا سکے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس راستہ پر مزید سائنسی تحقیق ممکن نہیں۔ اگر مظاہر قدرت میں نظم نہ ہوتا تو نہ تو کوئی شخص سائنسدان ہی بن سکتا، اور نہ سائنس ہی ممکن ہوتی۔ اب تک سائنسدان معلوم کر چکے ہیں کہ نظم ایک جوہر میں ایک سالمہ میں ایک کرسٹل میں اور برف کے ایک گالہ میں، اور اجرام فلکی میں موجود ہے۔ دوسرے لفظوں میں نظم اس پوری کائنات کا مستقل کلیہ ہے۔ سائنسی علم دراصل موجودات کے اندرونی نظم کا ہی علم ہے۔ قدرت کے مادی مظاہر میں جو نظم پایا جاتا ہے وہ اس قدر جچا تلا ہے کہ ہم اسے ریاضیات کی اصطلاحات میں بیان کر سکتے ہیں۔ قدرت کے ایسے مظاہر جنہیں ہم نہایت معمولی سمجھتے ہیں۔ مثلاً ایک بلند عمارت سے گرنے والی کنکری کی بڑھتی ہوئی رفتار یا لوہے کی گرم کی ہوئی سلاخ کے پھیلنے کی مقدار یہ سب مظاہر ٹھوس ریاضیاتی قوانین کی پابندی کرتے

ں وقت بھی کائنات میں جاری تھے جب کوئی ماہر ریاضیات بلکہ کوئی متنفس بھی دنیا میں موجود نہیں تھا۔ جدید طبیعات کے مطابق مادہ فنا ہو جاتا ہے۔ لیکن جب مادہ فنا ہو جائے تو اس کے بعد مادی مظاہر قدرت کا جو حصہ باقی بچ رہتا ہے وہ محض ان کی تعمیر کا نقشہ ہے جسے ہم ریاضیاتی فارمولا میں پیش کر سکتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ نظم مستقل اور غیر متبدل ریاضیاتی نظم ہی مادی مظاہر قدرت کی حقیقت یا اصل ہے یہی نظم وہ چیز ہے جس نے تمام مادی سائنسی علوم کو اور ٹیکنالوجی اور انجینئرنگ میں ان کے عملی اطلاق کو ممکن بنایا ہے۔ اگر یہ نظم نہ تھا تو سائنس کی ترقی سے جو لاتعداد سہولتیں اور آسائشیں دور حاضر کے انسان کے لئے ممکن ہوتی ہیں امکان میں نہ آتیں۔

اب اگر سائنسدان اس کائنات کو سمجھنا چاہتا ہے تو مظاہر قدرت کا نظم جس کیطرف سائنس بڑے زور سے اسکی توجہ مبذول کراتی ہے اس کے لئے کوئی ایسی بے کار اور بے معنی چیز نہیں ہو سکتی جسے وہ سرسری طور پر دیکھے سمجھے اور پھر نظر انداز کر کے آگے چل دے اور کہے مجھے اس سے کیا غرض۔؟ اسکی وجہ یہ ہے کہ نظم کسی ذہن کی کار فرمائی کی ایک ایسی معتبر علامت ہے جس پر شک نہیں کیا جا سکتا۔ اگر گندم کے کچھ دانے کسی فٹ پاتھ پر بکھرے ہوئے پڑے ہوں تو آپ بجا طور پر خیال کریں گے کہ کوئی شخص گندم کی تھیلی لئے جا رہا تھا، اور اس سے اتفاقاً گر گئے ہیں۔ لیکن اگر وہی گندم کے دانے اسی فٹ پاتھ پر ایک ریاضیاتی شکل مثلاً ایک باقاعدہ ہشت پہلو نقش کی صورت میں آراستہ ہوں تو کیا آپ کو اس بات پر ذرا سا بھی شک ہوگا کہ یہ نقش کسی ذہن کی پیداوار ہے۔ آپ فوراً سمجھ جائیں گے کہ یہ عمدہ باقاعدہ اور خوبصورت نقش کسی ہنرکار کے ذہن کی تخلیق ہے۔ بلکہ آپ اس نقش کو دیکھ کر اس کے خالق کے ذہن کی کئی صفات معلوم کر سکیں۔ شلاً آپ کہیں گے کہ چونکہ یہ نقش سوچ بچار کو ظاہر کرتا ہے جو زندگی کی علامت ہے، لہذا اس کا خالق ذہن ایک زندہ شخصیت ہے۔ چونکہ یہ نقش ایک ریاضیاتی شکل رکھتا ہے اور اس میں علم و حکمت کام آئے ہیں، لہذا لازماً ذہن دانا اور علیم اور حکیم ہے۔ پھر چونکہ نقش کے اندر گندم کے ہر دانے نے وہ جگہ لے رکھی ہے جو اس ذہن کے سوچے سمجھے ہوئے مقصد یا منصوبہ کے مطابق ہے۔ لہذا وہ ایک مقصد رکھ سکتا ہے اور اس مقصد کے مطابق کام کرنے کی قدرت رکھتا ہے، چونکہ نقش ایک نظم رکھنے کی وجہ سے کشش پیدا کرتا ہے اور حسین و جمیل ہے۔ لہذا اس کا خالق حسن اور جمال سے محبت رکھتا ہے، اور حسن و جمال کو پیدا کر سکتا ہے، چونکہ نقش کا نظم اعتدال ظاہر کرتا ہے، لہذا اس کا خالق ذہنی طور پر عادل ہے۔ پھر آپ کہیں گے کہ اگر نقش کے اندر بعض ناہمواریاں یا بے قاعدگیاں ہوتیں اور وہ کامل نہ ہوتا

تو وہ منظم نہ ہو سکتا۔ لہذا اس کا خالق کمال سے محبت رکھتا ہے اور چونکہ کمال کا حصول فوری نہیں ہوتا بلکہ تدریج چاہتا ہے، لہذا تدریجی تکمیل اور تربیت اس کی صفات میں سے ہیں۔ اسی طرح سے زندگی، خالقیت، حکمت، قدرت، علم، محبت، جمال، عدل اور ربوبیت کے علاوہ اس ذہن کی اور بہت سی صفات کو بھی آپ ایسے ہی استدلال کے ساتھ معلوم کر سکیں گے۔ اس سے ضمناً یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ پوری کائنات میں بھی جہاں کہیں نظم ہو گا وہاں کسی ایسے ذہن کی کارفرمائی موجود ہو گی جو یہی صفات رکھتا ہو۔ گویہ نظم ایک آئینہ ہے جس میں نظم کے خالق کی یہ صفات پوری صفائی کے ساتھ جلوہ افروز ہوتی ہیں۔

نظم کے یہ آشکار اوصاف حیاتیاتی سطح پر اور بھی زیادہ آشکار ہو جاتے ہیں۔ ایک زندہ وجود حیوانی نظم اور ذہنی کارفرمائی اور اسکی ملحقہ صفات کے ظہور کا نہایت ہی حیرت انگیز نمونہ ہے۔ اس کے تمام اعضاء و جوارح اس کے تمام خلیات اسکی تمام جبلتیں اور اس کے تمام اعضائے رئیسہ ایک مرکزی مدعا کے ماتحت کام کرتے ہیں، جو حیوان کا اپنا قائم کیا ہوا نہیں ہوتا، حیوان کے اندرونی حیاتیاتی اعمال و وظائف مثلاً ہضم، کیلوس، کیموس، خون، گوشت اور ہڈیوں کی ساخت ضروری کیمیاوی مرکبات کی پیداوار، دفاتین اور حیاتین کی تیاری، دوران خون، تنفس، توالد و تناسل، خودکارانہ نشوونما، اعضائے رئیسہ کی فعلیت، زخموں کا اندمال، اور ہر قسم کے امراض کے خلاف قدرتی صحت بخش ردعمل جو سب مل کر حیوان کی زندگی اور نسل کی بقا کے لئے خود بخود عمل کرتے ہیں، ایک ایسے ذہن کی حکیمانہ اور قادرانہ تخلیقی، تکمیلی اور تربیتی کارروائی کا پتہ دیتے ہیں جو حیوان کے علاوہ کسی اور کا ذہن ہے اور یہی ذہن ہے جو حیوان کے ان اندرونی اعمال و وظائف کے درمیان آپس میں اور ان سب کے علاوہ حیوان کے بیرونی جبلتی کردار کے درمیان ایک مکمل ہم آہنگی اور توافق پیدا کرتا ہے۔ وہ حیوان کی نشوونما اس طرح سے کرتا ہے کہ حیوان زندہ رہنے کے لئے اپنے ماحول کے ساتھ مطابق ہو جائے مچھلی چونکہ پانی میں تیرتی ہے، اسکو وہ گلپھڑے دیتا ہے تاکہ ہوا کی بجائے پانی کو سانس لینے کے لئے استعمال کر سکے۔ اس کا جسم اس طرح سے بناتا ہے کہ تیرتے وقت پانی کی رو کم از کم مزاحمت کر سکے اس کے جسم کے آخر میں دم پتوار کی طرح پانی میں دھکیلنے کے لئے لگاتا ہے، اور جسم دونوں طرف حرکت میں چپوؤں کی مانند رو دینے کے لئے پر پیدا کرتا ہے۔ پرندہ چونکہ ہوا میں اڑتا ہے اسے پروں کا ایک نہایت ہی پیچیدہ نظام دیتا ہے جو اڑنے کے لئے مددگار ہے اسے ہلکا پھلکا رکھنے کے لئے اس کی ہڈیاں اندر سے کھوکھلی رکھ کر ایک ہلکی گیس سے بھر دیتا ہے۔ حیوان کو ماحول کے

مطابق بنانے کے لئے اس ذہن سے جو جو تخلیقی اعمال انجام پاتے ہیں آنکھ اور کان ان کی محیر العقل مثالیں ہیں۔ دراصل ذہن کی تخلیقی فعلیت کی برکت سے ماحول کے ساتھ توافق ہر زندہ جسم کا امتیازی نشان بن گیا ہے جو اسکی جسمانی ساخت اور جبلی اعمال کی تمام چھوٹی بڑی تفصیلات میں آشکار نظر آتا ہے۔ چونکہ سائنسدان کی اپنی سائنسی تحقیق اس بات کی طرف راہنمائی کرتی ہے کہ کائنات کی کوئی چیز بھی ایسی نہیں جس میں نظم نہ ہو اور جو کسی ذہن کی تخلیقی فعلیت کا ثبوت نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سائنسدان خود اپنی ہی جستجو کے نتیجہ کے طور پر اس سوال سے دوچار ہوتا ہے کہ آخر یہ ذہن کونسا اور کس کا ہے جس کے کمالات کائنات کے ذرہ ذرہ میں کارفرما ہیں۔ اور سائنسدان ہی کا فرض ہے کہ جو سوال اس نے پیدا کیا ہے وہ خود اس کا جواب دے۔ اس سوال کو نظر انداز کرنا یا اس کا جواب دینے سے گریز کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص راہ چلتے چلتے ایک مقام پر جہاں ایک بورڈ پہ موٹا سا تیر سمت منزل کی نشاندہی کر رہا ہو۔ بلاوجہ ٹھہر جائے اور پھر آگے جانے کا نام نہ لے۔ سائنسدان کا تو امتیاز ہی یہ ہے کہ وہ ہر بات کی وجہ ڈھونڈھتا ہے۔ تاکہ اپنے ذہنی عمل کی تکمیل سے رکاوٹیں پیدا ہو جائیں گی۔ اپنے ذوق جستجو کو مطمئن کرے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو علم کی ترقی کا رک جانا ضروری ہے۔ سائنسدان کو اس سوال کا جواب اس لئے بھی دینا چاہیئے کہ ہو سکتا ہے کہ اس کا جواب اس کے گذشتہ حاصل شدہ سائنسی نتائج پر مزید روشنی ڈالے اور سائنسی تحقیق کے راستے پر اسکی آئندہ منزلوں کو آسان بنا دے اور اگر وہ اس سوال کا جواب نہ دے تو اسکی سائنسی جستجو تشنہ ادھوری اور ناتمام رہ جائے گی اور آئندہ کی سائنسی جستجو کی راہوں میں مشکلات اور رکاوٹیں پیدا ہو جائیں گی۔ لیکن سائنسدان کو اس سوال کا جواب قرآن حکیم کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتا۔ قرآن حکیم دنیا میں پہلی آواز ہے جس نے کہا کہ تمام مظاہر قدرت خدا کی ہستی اور صفات کے نشانات ہیں اور انسان کو چاہیئے کہ ان کا مشاہدہ اور مطالعہ کر کے خدا کو پہچانے۔

اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ۔

بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور دن اور رات کے اختلاف ہی عقلمندوں کے لئے خدا کے نشانات ہیں۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

کہئے اے پیغمبر آسمانوں اور زمین میں مظاہر قدرت کا مشاہدہ کرو۔

اسلام میں

معاشی مسئلہ کا اخلاقی حل

اس وقت یہ سوال بڑی اہمیت اور قوت کے ساتھ سامنے لایا جا رہا ہے کہ موجودہ نظام کی بدولت جو معاشی مشکلات پیدا ہو چکی ہیں اور معاشرہ جس بدحالی سے دوچار ہو رہا ہے اس سے نجات حاصل کرنے کیلئے کونسی راہ اختیار کی جائے۔ اور معاشی نظام کے اس فساد اور معاشرہ کی بدحالی کو کسطرح دور کیا جائے، اس سلسلہ میں مختلف نظریات کو معاشی مشکلات کے حل کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے اور دنیا کے مروّجہ نظاموں میں سے کئی قسم کے نظامہائے معیشت کو سامنے لایا جا رہا ہے، مگر اس معاشی نظام کے فساد اور ان مشکلات کے جو اصل اسباب ہیں، یعنی اخلاقی اقدار کا فقدان اور حرص مال اور حب دنیا جیسے مذموم رذائل میں منہمک ہونا عام طور پر ان کی طرف سے غفلت اور بے توجہی برتی جا رہی ہے بلکہ اکثر نظریات تو حکیم رومیؒ کے اس شعر کے پورے مصداق ہیں کہ ؎ ہر دارو کہ ایشان کردہ اند.........

اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ موجودہ معاشی مشکلات کا "اخلاقی حل" پیش کر دیا جائے۔ تاکہ اصل سبب فساد کی نشاندہی ہو کر ان مشکلات کا صحیح حل سامنے آ جائے۔ اسی ضرورت کی بناء پر یہ مضمون "اسلام میں معاشی مسئلہ کا اخلاقی حل" پیش کیا جا رہا ہے۔

یہ مضمون کوئی مستقل اور طبع زاد مضمون نہیں ہے۔ بلکہ اسکو معارف الحدیث، تجدید معاشیات اور اسلام کا اقتصادی نظام، ماہنامہ دارالعلوم وغیرہ مطبوعہ مضامین سے اقتباسات حاصل کر کے مرتب کیا گیا ہے، مگر چونکہ ان اقتباسات میں حسب ضرورت ترمیم و تشریح اور اضافات کے ذریعہ تصرف کیا گیا ہے۔ اس لئے ناظرین سے درخواست ہے کہ اگر ان کو اس میں کسی جگہ کوئی خلجان

پیش آئے تو اس کا سبب مرتب کی تعبیری کوتاہی اور لفظی غلطی کو قرار دیا جائے اور اس پر اگر مرتب کو آگاہ کر دیا جائے، تو انشاء اللہ اسکی اصلاح کر دی جائے گی۔

دورِ حاضر کے تقاضوں اور ضروریات کے پیشِ نظر یہ مضمون اہلِ نظر و فکر اور اربابِ علم کی خصوصی توجہات کا محتاج اور غور و فکر کا مستحق ہے۔

(مترجم سنی)

★

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض اگلی قوموں اور امتوں کا یہ حال بتلایا گیا تھا، کہ جب ان کے پاس دنیا کی دولت آئی تو ان میں دنیوی حرص اور دولت کی رغبت و چاہت اور زیادہ بڑھ گئی اور وہ دنیا ہی کے دیوانے اور متوالے ہو گئے اور اصل مقصد زندگی کو بھلا دیا، پھر اسکی وجہ سے ان میں باہم حسد و بغض بھی پیدا ہوا، اور بالآخر ان کی اس دنیا پرستی نے ان کو تباہ و برباد کر دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے بارہ میں اسی کا زیادہ خطرہ تھا، اسی لئے آپ نے ازراہِ شفقت امت کو اس خطرہ سے آگاہ کیا۔

دولت کی افراط کا خطرہ | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "میں تم پر فقر و ناداری کے آنے سے نہیں ڈرتا۔ لیکن مجھے تمہارے بارہ میں یہ ڈر ضرور ہے کہ دنیا تم پر زیادہ وسیع کر دی جائے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر وسیع کر دی گئی تھی، پھر تم اس کو بہت زیادہ چاہنے لگو، جیسے کہ انہوں نے اسکو بہت زیادہ چاہا تھا۔ (اور اسی کے دیوانے اور متوالے ہو گئے تھے۔) اور پھر وہ تم کو برباد کر دے۔ جیسے کہ اس نے ان اگلوں کو برباد کیا۔" (بخاری و مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے فقر و ناداری میں مبتلا ہونے کا نہیں بلکہ خطرہ اس بات کا تھا کہ امت میں زیادہ دولتمندی آجانے سے وہ دنیا پرستی اور اسکی رغبت و چاہت میں مبتلا ہو کر ہلاک و برباد نہ ہو جائے اس لئے آپ نے اس خوشنما فتنہ "افراطِ دولت" کی خطرناکی سے امت کو خبردار و آگاہ فرمایا تاکہ وہ ایسا وقت آنے پر اس کے برے اثرات سے اپنا بچاؤ کرنے کی فکر کرے۔

اس امت کا خاص فتنہ دولت ہے | کیونکہ اس امت کا خاص فتنہ دولت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ان لکل امۃ فتنۃ و فتنۃ امتی المال۔ (ترمذی شریف)

ہر امت کے لیئے کوئی خاص آزمائش ہوتی ہے اور میری امت کی خاص آزمائش مال ہے۔

مطلب یہ کہ مال و دولت کو ایسی اہمیت حاصل ہوگی اور اسکی ہوس اتنی بڑھ جائے گی کہ وہی اس امت کیلئے بڑا فتنہ ہوگا۔

اور واقعہ یہ ہے کہ خیر القرون کے بعد سے ہمارے اس زمانہ تک کی تاریخ پر جو شخص بھی نظر ڈالے گا، اس کو صاف محسوس ہوگا: کہ مال کے مسئلہ کی اہمیت اور دولت کی حرص و ہوس ہر زمانہ میں عام طور پر بڑھتی رہی ہے۔ اور بڑھتی ہی جا رہی ہے، اور بلاشبہ یہی دولت کی حرص و ہوس، اس دور کا سب سے بڑا فتنہ ہے، جس نے بیشمار بندوں کو خدا تعالیٰ کی بغاوت و نافرمانی کے راستہ پر ڈال کر اصل سعادت سے محروم کر دیا ہے، بلکہ اب تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ خدا بیزاری اور خدا دشمنی کے علمبردار بھی دولت و "معاش" کے مسئلہ کی پیٹھ پر سوار ہو کر ہی اپنے باطل نظریات کو دنیا میں پھیلا اور شائع کر رہے ہیں۔

چونکہ ہمارے اس زمانہ میں دنیا کی زندگی کے ساتھ لوگوں کا بہت تعلق ہو گیا ہے۔ اور دنیوی مال و دولت کی حرص و ہوس بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اس لیئے خالص دنیوی زندگی کے "معاشی مسئلہ" کو اتنی اہمیت دیدی گئی ہے کہ غالباً اس سے پہلے کبھی بھی اس کو اہمیت کا یہ غیر معمولی مقام حاصل نہ ہوا ہوگا۔ یہاں تک کہ ایک طرف تو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم گاہوں اور یونیورسٹیوں کے اندر علانیہ یہ نظری فلسفہ پڑھایا جاتا ہے کہ انسان اور انسانی زندگی کے سارے مسائل و مشاغل کا نچوڑ گویا صرف پیٹ اور روٹی یا معاش اور "معاشیات" ہے اور دوسری طرف عملی زندگی اور سیاسیات میں اس فلسفہ کے ماننے اور انکار کرنے والے افراد اور حکومتیں اپنے شہریوں اور رعایا کو سب سے زیادہ یہی سبق پڑھاتے اور رٹاتے ہیں، اور اپنے سارے اصلاحی اور تعمیری منصوبوں اور تجویزوں کے جو اغراض و مقاصد بتاتے رہتے ہیں۔ کم و بیش سب کی تان، روٹی اور پیٹ یا مادی اور معاشی زندگی کی سرگرمیوں پر ہی ٹوٹتی ہے۔"

اس لیئے ضروری معلوم ہوا کہ" اسلام نے اس معاشی مسئلہ کا جو اخلاقی حل تجویز کیا ہے۔ اسکو واضح کر دیا جائے تاکہ دنیوی دولت کی حرص و ہوس کے اس فتنہ نے اس مسئلہ کو جو غیر معمولی اہمیت دیدی ہے۔ اسکی اصلاح ہو جائے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں چند مسلمہ اصولوں کا ذکر مناسب معلوم ہوا کہ پہلے چند مسلمہ اصولوں کا ذکر کر دیا جائے تاکہ اصل بات کا

سمجھنا آسان ہو جائے۔

۱- یہ عالم دنیا جس میں ہم اپنی عارضی اور فانی زندگی گذار رہے ہیں۔ اور جس کو ہم اپنی آنکھوں کانوں وغیرہ حواس کے ذریعہ محسوس کرتے ہیں جس طرح یہ ایک حقیقت اور واقعی چیز ہے، اسی طرح عالم آخرت جو اس دنیوی زندگی کے گذارنے کے بعد سامنے آنے والا ہے۔ اور اسکی خبر اللہ تعالیٰ کے سب پیغمبروں نے دی ہے۔ وہ بھی ایک قطعی اور نفس الامری یقینی حقیقت ہے۔ محض فرضی اور غیر واقعی تخیل نہیں ہے۔ ہمارا اس پر ایمان ہے نقل اور عقل کی روشنی میں ہم کو اس کے بارہ میں بحمداللہ پورا وثوق اور اطمینان حاصل ہے۔

۲- پھر دنیا کے بارہ میں ہمارا یقین یہ ہے کہ یہ اور اسکی ہر چیز راحت ہو یا تکلیف، تنگی ہو یا فراخی، فانی اور حقیر ہے۔ بخلاف عالم آخرت کے کہ وہ خود بھی غیر فانی اور جاودانی ہے اور اسکی راحت و تکلیف بھی ابدی اور دوامی ہے۔ اور وہاں پہنچ کر انسان کو بھی غیر فانی بنا دیا جائے گا، یعنی اسکو بھی کبھی ختم نہ ہونے والی دوامی زندگی عطا فرما دی جائے گی۔ اسی طرح وہاں اللہ کے سعید اور خوش نصیب بندوں کو جو نعمتیں عطا ہوں گی ان کا سلسلہ بھی ہمیشہ ہمیشہ جاری رہیگا کبھی منقطع نہ ہوگا۔ اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے «عطاء غیر مجذوذ» "وہ عطا خداوندی جس کا سلسلہ کبھی بھی منقطع نہ ہوگا۔" اور اسی طرح جن اشقیا کی بغاوت اور سرکشی اور کفر و استکبار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب ان پر ہوگا، ان کی تکلیفوں اور ان کے عذاب کا سلسلہ بھی کبھی منقطع نہ ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ دنیا اور اسکی ہر چیز کے فانی ہونے اور آخرت اور اسکی ہر چیز کے باقی رہنے کا تقاضا تو یہ تھا کہ انسان کی فکر و سعی بس آخرت ہی کیلئے ہوتی اور دنیا سے اس کا تعلق صرف ناگزیر ضرورت کے بقدر ہی ہوتا۔

۳- لیکن انسانوں کا عام حال یہ ہے کہ دنیا چونکہ ہر وقت ان کے سامنے ہے اور آخرت سراسر غیب اور آنکھوں سے اوجھل ہے۔ اس لئے اکثر و بیشتر آخرت کی ان حقیقتوں کے ماننے والوں پر بھی دنیا ہی کی فکر و طلب غالب رہتی ہے۔ یہ انسان کی ایک قسم کی فطری کمزوری اور غلطی ہے۔

۴- اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور اس کی کتابوں کے ذریعہ انسانوں کی اس غلطی اور کمزوری کی اصلاح ہمیشہ کی جاتی رہی ہے، اور آخرت کے مقابلہ میں دنیا کے درجہ کی کمتری اور اسکی حقارت اور دنیا کے مقابلہ میں آخرت کے مقام کی بلندی اور رفعت کو واضح کیا جاتا رہا ہے خصوصیت کے

ساتھ قرآن مجید میں بڑے پرزور الفاظ اور اہمیت کے ساتھ جا بجا مختلف عنوانات کے ساتھ دنیا کی بے وقعتی اور ناپائیداری کو اور آخرت کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔

۵۔ تمام پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کیلئے اور آخرت کی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں ان کو کامل فلاح و بہبود کے مقام تک پہنچانے کیلئے جن چند خاص نکتوں پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان دنیا کو بالکل حقیر اور بے قیمت سمجھے اور اس سے زیادہ دل نہ لگائے اور اسکو اپنا مقصود و مطلوب نہ بنائے، بلکہ آخرت کو اپنی اصل منزل اور اپنا دوامی وطن یقین کرتے ہوئے اور دنیا کے مقابلہ میں اسکی جو قدر و قیمت اور جو اہمیت ہے اسکو پیش نظر رکھتے ہوئے وہاں کی کامیابی حاصل کرنے کی فکر کرے اور اسی فکر کو اپنے تمام دنیوی فکروں پر غالب رکھے۔ پس انسان کی سعادت اور آخرت میں اسکی کامیابی کیلئے گویا یہ شرط ہے کہ دنیا اسکی نظر میں حقیر اور بے قیمت ہو اور اس کے دل کا رخ آخرت ہی کی طرف ہو۔

اسلام میں معاشی مسئلہ درا صل کوئی اہم مسئلہ نہیں ہے اگر ان چند اسلامی اصولوں کو دلنشین اور ان کے مطالبات اور تقاضوں کو مدنظر رکھ کر غور کیا جائے تو صاف واضح ہے کہ اسلام میں معاش کا مسئلہ کوئی اصولی اور اہم مسئلہ نہیں ہے، کیا آخرت پر یقین رکھنے والوں کیلئے "معاد" عالم آخرت کے سوا معاش، کیا زندگی کا کوئی بھی معاشی یا غیر معاشی مسئلہ اس معنی میں کوئی اہم مسئلہ رہ جاتا ہے جس معنی میں جدید اور عصری معاشیات اور معاشی تعلیمات و رجحانات نے افراد اور جماعتوں، شہریوں اور حکومتوں سب ہی کی پوری زندگیوں کو خالص معاشی یا دنیوی مسائل و مشکلات کے حل کرنے اور سلجھانے میں الجھا رکھا ہے۔

ایمان کے بعد تو ایک مومن کیلئے سارے معاشی و دنیوی مسائل میں مسئلۃ المسائل اور سب سے اہم ایک ہی مسئلہ رہ جاتا ہے کہ معاشی ہو یا غیر معاشی اسکی زندگی کی کسی راہ و روش میں کوئی قدم ایسا نہ اٹھے جس سے اسکی معادی یعنی آخرت کی زندگی کی منزل خدا نخواستہ کھوٹی ہوتی ہو کیونکہ زندگی کے جس مسافر نے سفر ہی کو منزل یا وطن نہ بنالیا ہو، وہ سفر کی عارضی اور وقتی خوشحالی یا راحتوں اور دلچسپیوں کو کوئی ایسا اہم مسئلہ کیسے بنا سکتا ہے جس میں گم اور منہمک ہونے کی بدولت مستقل اور دوامی راحتوں والا وطن گرتا یا بگڑتا اور برباد و ویران ہوتا ہو۔

اسلامی یا غیر اسلامی معاشیات اسی جگہ سے اسلامی اور غیر اسلامی معاشیات کا یہ

کھلا فرق واضح ہو جاتا ہے کہ اسلامی معاشیات کا تمام تر تعلق "معادیات" یعنی آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی کے بناؤ بگاڑ اور فلاح و خسروں سے ہے اور اسلام میں "معاشی مسئلہ" معاد کے ماتحت اور بالکلیہ اس کے تابع ہے۔ اس لئے اس کا درجہ معاد کے اعتبار سے بالکل غیر اہم اور ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ اور غیر اسلامی معاشیات کا مطمح نظر صرف دنیوی خوشحالی اور پیٹ و روٹی ہے۔ اسی لئے غیر اسلامی معاشیات میں معاشیات ہی کو اولیت کا درجہ دے کر اسی کو مقصد زندگی بنا لیا گیا اور تحریکوں یا حکومتوں کی بنیادیں اسی پر قائم کر دی گئی ہیں۔ اسکو اس سے کچھ غرض نہیں کہ اس کے حاصل کرنے میں آخرت کی زندگی پر کیا اثر پڑتا ہے وہ بگڑتی ہے، یا سنورتی ہے۔ اسلامی تعلیم کی رو سے ساری مخلوقات کا تعلق اپنے خالق سے عبد و رب یعنی بندہ اور بندہ پرور ہونے کا ہے۔ بندہ اور غلام کا کام صرف بندگی اور اطاعت و عبدیت ہے۔ باقی بندہ پروری یا ربوبیت، یعنی بندہ کی واجبی حاجتوں اور ضرورتوں کو برابر پوری کرتے رہنا، یہ ذمہ داری تمام تر اسی رب العلمین ہی کی ہے، جو مخلوقات کے سارے بیشمار عالموں کا خالق اور پروردگار ہے۔

انسانی اور غیر انسانی معاشیات انسان سے نیچے کی جمادی اور حیوانی مخلوق اپنی بندگی کے فرائض و واجبات غیر فکری طریقہ پر "فطرت و جبلت" کی رہنمائی میں ادا کرتی رہتی ہے تو اس کی پرورش بھی ان کے فکری اور شعوری ارادہ و اختیار پر مبنی تدابیر کے بغیر ہی ہوتی رہتی ہے۔

البتہ انسان کو زمین پر چونکہ خلیفہ اور امین کا منصب دے کر بھیجا گیا ہے اس لئے خلافت و امامت کے فرائض منصبی کی ادائگی کے بقدر اس کو ارادہ کی آزادی اور اختیار بھی عطا ہوا ہے اور اسی آزاد ارادہ اور اختیار سے اپنی دنیوی زندگی یا معاشی حاجتوں کی سربراہی میں کام لینے کی طاقت بھی اسکو دی گئی ہے۔

مگر خدا تعالیٰ کے خلیفہ اور نائب ہونے کی حیثیت سے اس ارادہ اور طاقت کے استعمال کرنے کی اجازت خدائی احکامات کے تحت اور اس کے تفویض کردہ اختیارات کے حدود میں ہی دی گئی ہے۔

پھر جسطرح ایک آقا اور مالک کو یہ حق ہے کہ غلام کی استعداد و استطاعت کے موافق چاہے تو اس کے سپرد کوئی ایسا کام کر دے جس سے خود غلام کی کوئی حاجت و ضرورت قطعاً پوری نہ ہوتی ہو۔ مثلاً پنکھا جھولنے کا کام اس کے سپرد کر دے یا سرے سے اس کے کوئی کام ہی سپرد نہ کرے بلکہ اس کے ذمہ صرف یہ کر دے کہ وہ ہاتھ باندھے کھڑا رہے۔ اسیطرح

مالک کو یہ بھی حق ہے کہ کوئی ایسی خدمت اس کے حوالہ کردے جس سے خود غلام کی بھی کوئی حاجت پوری ہو سکتی ہو۔ مثلاً اس کو تجارت یا زراعت کے کام میں لگا دے اور اس کی آمدنی اور پیداوار سے خود اس کے کھانے کپڑے وغیرہ کی ضرورتوں کو پورا کردے۔

مگر اس کا یہ مطلب نہ ہوگا کہ دوکانداری یا کھیتی باڑی کے اس کام کے بغیر وہ غلام کو بھوکا ننگا رکھتا۔ غلام کا پیٹ بھرنا اور تن ڈھکنا تو بہرحال آقا کی ذمہ داری ہے، چاہے کسی زمینی یا آسمانی آفت کی بدولت کھیت میں ایک دانہ بھی پیدا نہ ہو اور دکان سے ایک پیسہ کی آمدنی بھی نہ ہو۔

غرضیکہ اسلام نے خدا اور بندہ میں جو تعلق قرار دیا ہے اس کے تحت جسطرح بندہ کی ذمہ داری بے چون وچرا بندگی اور فرمانبرداری ہے۔ ؎ تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن ـــــ اسی طرح خدا تعالیٰ کی ذمہ داری ہر حال میں بندہ پروری اور روزی رسانی ہے۔

البتہ یہ ہو سکتا ہے اور اس میں کچھ حرج نہیں کہ خود بندہ ہی کی کسی مصلحت سے اس کو فاقہ کشی بھی کرادی جائے۔ جیسا کہ طبیب بھی مریض کی مصلحت سے اس کو کبھی فاقہ کا مشورہ دے دیتا ہے۔ مثلاً بندگی کے درجات بلند کرنے اور وفاداری کی آزمائش کے لئے ایسا کیا جائے۔

اسلامی معاشیات کا بنیادی اصول معلوم ہوا کہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے انسان کے رزق و "معاش" کا مدار، ایجاد بندہ اور انسانی خود ساختہ معاشیاتی نظریات اور اسباب وسائل پر نہیں ہے، بلکہ بقاء نفس کیلئے جسطرح ہر جاندار کے رزق کی ضمانت خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہے اور وہ بحر وبر کی بیشمار ولاتعداد مخلوقات چرند پرند وغیرہ کو اپنے خوانِ کرم سے رزق عطا کرتا ہے اور ان سب کو شکم سیر کرتا ہے، اسی طرح ہر انسان (خواہ مومن ہو یا غیر مومن) اس کے رزق کی ضمانت بھی اسی رزاق مطلق ذوالقوۃ المتین نے لی ہوئی ہے۔ جب بحری اور بری ان گنت مخلوقات کی روزی رسانی سے اس کے خزائن نعمت میں کسی طرح کی کمی نہیں آتی تو کیا گنتی کے چند محدود انسانوں کے رزق دینے سے اس کے وسیع اور ان گنت خزائن رزق میں تنگی آجائے گی؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، وکاین من دابۃ لاتحمل رزقھا اللہ یرزقھا وایاکم وھو السمیع العلیم۔ "کتنے طرح طرح کے جانور ہیں جو اپنی روزی اپنی پیٹھ پر لادے نہیں پھرتے اللہ ہی ان کو بھی روزی دیتا ہے اور تم کو بھی وہ تو سب کا حال خود ہی پوری طرح سننے اور جاننے والا ہے۔"

اور ارشاد ہے وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا ویعلم مستقرھا ومستودعھا۔ "اور کوئی (رزق کمانے والا) جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اسکی

روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو اور وہ ہر ایک کی زیادہ رہنے کی جگہ کو اور چند روزہ رہنے کی جگہ کو جانتا ہے۔"

پہلی آیت میں وھو السمیع العلیم، کا یہ فائدہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جسطرح اللہ تعالیٰ ہر فریاد کنندہ کی فریاد سنتے اور مناسب طور پر حاجت روائی فرماتے ہیں، اسی طرح وہ سب کی حاجتوں اور ضرورتوں کو خود بھی جانتے ہیں اس لئے بغیر مانگے بھی خود ہی روزی پہنچاتے رہتے ہیں۔ یہ بات نہیں کہ جبتک تم داد و فریاد اور احتجاج و ہڑتال کے ہنگامے برپا نہ کرو حکومتی کارکنان رزق سے مشکشائی نہ ہوتی ہو۔

رزق کی تنگی اور فراخی ہر جاندار کے رزق کی ضمانت اور ذمہ داری اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل عمیم اور احسان عظیم سے اپنے اوپر لے رکھی ہے۔ مگر نفس رزق کی ضمانت کے بعد رزق بسط و قدر یعنی معاشی فراخی اور تنگی کا مسئلہ پھر بھی تکوینی اور تمدنی مصالح کے پیش نظر در پیش رہتا ہے۔ اس رزقی برابری اور معاشی مساوات کا وعدہ خدا کی طرف سے نہیں کیا گیا۔ (باقی آئندہ)

بقیہ : چاند اور اسلام ـــــ یاد رکھیں کہ قرآن کریم کا موضوع آخرت کی دائمی اور حقیقی زندگی کے حصول کیلئے دنیا کی چند روزہ زندگی کو استوار رکھنے کا طریقہ بتلانا ہے اور اسی مقصد کے لئے زندگی کے کسی مرحلہ پر بھی پیش آنے والی ضرورتوں کو تشنہ نہیں چھوڑتا۔ سعادت اخروی کے طریقوں کو ترغیب و ترہیب سے بیان کرتا ہے اور تجارت، سیاست، ملازمت، زراعت سب شعبوں میں حلال و حرام کی رہنمائی کرتا ہے مگر وہ طبیعات نجوم اور جغرافیہ وغیرہ کی کتاب نہیں کہ ہر زمانہ کے عروج و ارتقا کے سارے مراحل بتلائے، البتہ بطور آیات آفاقی اور مبدء و معاد میں غور و فکر کرنے کیلئے کہیں ضرورت آئی تو ان اشیاء کا ذکر ایسے جامع کلمات سے کرتا ہے جس سے قیامت تک اہم فنی مسائل بھی مستنبط ہو سکیں مگر یہ نہ ہر شخص کا کام ہے نہ اس کا فہم ایمان کیلئے ضروری ہے۔ اولو الابصار اور عقلمندوں کیلئے علوم کا لامتناہی ذخیرہ قرآن مجید میں موجود ہے۔ اور ان کلیات سے قیامت تک جزئیات نکالے جاسکتے ہیں ـــــ محترم بھائیو! خداوند کریم کی کائنات بے حد حساب ہے اسکی وسعتوں کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، ایک حدیث میں اسکی تعبیر ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ عرش معلّی کے نیچے ایک ہزار قندیل لٹکے ہوئے ہیں۔ اور یہ ساتوں آسمان زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کچھ صرف ایک قندیل میں سمائے ہوئے ہیں، باقی قنادیل میں کیا ہے۔؟ اس کا علم کس کو ہو سکتا ہے۔؟ وما یعلم جنود ربک الا ھو ـــــ مختصراً یہی کچھ عرض ہوا آئندہ کو تبع پر مزید تفصیل کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتنوں سے محفوظ رکھے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ ■■

تحریک
ریشمی رومال
کے بارے میں
ایک شرمناک جھوٹ کی تردید

مدیر الحق کے نام حضرت مولانا محمد اسعد مدنی مدظلہٗ کا ایک وضاحتی مکتوب

جہاد حریت و استخلاص وطن کے بارے میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی عالمگیر اور بے مثال تحریک "ریشمی رومال" سے مشہور ہے، لائل پور کے کسی ماؤف دماغ شخص نے کچھ عرصہ قبل اس تحریک کے بارہ میں تحریک ریشمی رومال کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں تاریخی واقعات کو ادھر ادھر سے جمع کرکے اپنی کتاب کی نسبت حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ کیطرف کر دی اور تحریک کی ناکامی کے اسباب کے ضمن میں تحریک کے بعض ممتاز اور بنیادی ارکان کے جذبۂ اخلاص اور وفاداری پر سخیف انداز میں دست درازی کی — اس بارہ میں حضرت مولانا محمد اسعد مدنی صاحبزادہ حضرت شیخ الاسلامؒ نے اپنی تشریف آوری کے موقع پر مدیر الحق کے استفسار کے جواب میں جو تحریری وضاحت فرمائی اسے سوال سمیت من وعن یہاں شائع کیا جارہا ہے۔

—— ادارہ ——

حضرت محترم مولانا محمد اسعد مدنی مدظلہٗ

جناب عبدالرحمان ہزاروی نامی ایک شخص نے "تحریک ریشمی رومال" کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے جسکی نسبت تصنیف حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ کی طرف کی گئی ہے اس کتاب کے آخر میں حضرت شیخ الہند مرحوم کے ایک نہایت ممتاز جان نثار معتمد علیہ اور صاحب

سے تلمیذ اور تحریک کے سرگرم کارکن اسیر مالٹا مولانا عزیر گل صاحب مدظلہ اور شیخ الہند کے بعض دیگر مخلص رفقاء کے متعلق نہایت بھونڈے طریق سے ایسی باتیں منسوب کی گئی ہیں جن سے ان حضرات کی بے لوث قربانی اور بے مثال کردار و شخصیت کے مجروح ہونے کا اندیشہ ہے اور تاریخی حقائق سے لاعلمی رکھنے والے حضرات غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتے ہیں، یہ کتاب آنجناب کے مطالعہ سے گذری ہے یا نہیں ۔۔۔؟ اس قسم کی بے سروپا باتوں کے بارہ میں آپ کا کیا تاثر ہے ۔۔۔؟

والسلام

سمیع الحق مدیر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک،
۱۷ر جولائی ۱۹۶۹ء

جواب ۔۔۔ محترم المقام مدیر ماہنامہ "الحق" دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔۔۔ "تحریک ریشمی رومال" مرتبہ مولوی عبدالرحمان ہزاروی کی تصنیف کو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کیطرف منسوب کرنا بدترین افترا ہے یہ تصنیف مولوی عبدالرحمان صاحب ہزاروی کی طبع زاد ہے جس میں تاریخی واقعات کو مسخ کر کے انتہائی مکروہ صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اور حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات سے بعض اقتباسات پیش کر کے یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ کتاب حضرت قدس سرہٗ کی تصنیف ہے ۔۔۔ اس میں خاص طور پر وہ حصہ انتہائی مکروہ افترا ہے جس میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ کے مخلص خادم و جان نثار اور رفیق اسارت اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رح کے مخلص ترین رفیق حضرت مولانا عزیر گل اسیر مالٹا کو ریشمی خطوط کی تحریک میں انگریزوں کا آلہ کار ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ میں مولوی عبدالرحمان ہزاروی کی اس قسم کی تمام افترا پردازیوں کی پرزور تردید کرتا ہوں جو انہوں نے حضرت مولانا عزیر گل صاحب کے متعلق اس کتاب میں کی ہیں اور اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے تعلقات حضرت مولانا عزیر گل صاحب مدظلہ سے انتہائی یگانگت اور اخلاص کیساتھ قائم رہے ہیں۔ اور والد محترم کے انہیں تعلقات کے احترام میں انتہائی عدیم الفرصتی کے باوجود میں نے ان کی زیارت کی جیسی دلی تمنا کے حصول کے لئے ان کے دیہاتی خام مکان پر حاضر ہونے کی آج ہی سعادت حاصل کی ہے جہاں وہ اسی درویشانہ اور تبتّل کی زندگی گذار رہے ہیں۔ جو حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کے مخلصین کا طرۂ امتیاز اور حضرت مولانا عزیر گل صاحب مدظلہ کی طویل تاریخی زندگی کی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت رہی ہے۔

اسعد غفرلہٗ
۱۷ر جولائی ۱۹۶۹ء - پشاور

مدنی شیخ کی مجلس میں

جامع و مرتبہ

احقر سمیع الحق عفرلہ بزمانہ قیام مدینہ ۱۳۸۳ھ

مقام

مدینہ طیبہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

زمانہ ملفوظات

۲۷ رمضان المبارک تا ۲۸ ذی قعدہ ۱۳۸۳ھ

ـــــ گذشتہ سے پیوستہ ـــــ

فرمایا: پیری مریدی کا اصل مقصد تو شریعت پر لگانا اور حضورؐ کی صحیح محبت اور اتباع سنت پیدا کرانا ہے۔ اگر ایسا پیر مل جائے تو لائق ہے پیری کے۔ بشرطیکہ اس کی زبان میں اثر ہو۔ اگر ایسا پیر چپ اور خاموش بھی بیٹھا ہے تب بھی فیض سے خالی نہیں ہوتا من لم ینفعہ سکوتنا لم ینفعہ کلامنا۔ یہ ہمارے بزرگوں کا مقولہ ہے، یعنی جنہیں ہماری خاموشی سے فائدہ نہ ہو انہیں ہماری باتوں سے بھی فائدہ نہیں ہوگا۔ لان القلب یأخذ من القلب والطبع یأخذ من الطبع۔ تاجر کے ساتھ بیٹھو گے تو تجارت کا شوق ہوگا، تاجر کے اثرات دل میں منعکس ہو جائیں گے شرابی کے ساتھ بیٹھو گے تو اس کے اثرات قلب پر پڑیں گے، الصحبۃ مؤثرۃ صحبت بہر حال موثر ہے، الحمد للہ آج میری طبیعت ٹھیک ہے۔ آرام ہے تو یہ چند باتیں خدمت میں عرض کیں۔

فرمایا: دنیا فانی ہے موت سر پر ہے، انسان کو محتاط رہنا چاہیئے نہ علم پر غرور ہو نہ مال پر نہ تقویٰ و شیخی پر نہ دنیا پر کہ یہ سب چیزیں کچھ بھی نہیں عمل ضروری ہے، باتوں سے کام نہیں چلتا ہے

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی ✧ کہ اندریں راہ فلاں بن فلاں چیزے نیست

علم وہ ہے جس سے عمل پیدا ہو، عمل وہ ہے جس میں اخلاص کی جان ہو، اخلاص وہ ہے جس سے خوف و خشیت پیدا ہو، اور اگر خوف پیدا ہو تو عجز و درماندگی ہوگی، سوئے گا تو جلدی اٹھ کر روئے گا اور

گڑگڑائے گا، بدن پہ ہر وقت خوف طاری ہوگا۔ انا عند المنکسرۃ قلوبھم۔

فرمایا: ایسا علم جس میں صالحین اور سب پر تنقید ہی تنقید ہوتباہی ہے، اپنے نفس پہ بدظنی کرتے رہو۔

مرا پیر دانا و مرشد شہاب دو اندرز فرمودہ (؟) آب

خودی کے بت کو توڑ دو، یہاں لوگ حج کرنے آکر اوروں پر تنقید ی نگاہ ڈالتے ہیں — تمہیں کیا — اپنا کام کرتے رہو۔ یہاں شیاطین بھی اچھی طرح گمراہ کراتے ہیں، یہ تو امتحان اور عشق کا سفر ہے، ادب کا مقام ہے، ہم تو عبید الامتنان ہیں نہ کہ عبید الامتحان۔

فرمایا: سلوک آجکل کہاں ہے، کرنے والے کہاں ہیں، ہماری تو صرف تبلیغ ہے، ہمارے ایک سید صاحب ہیں، مکہ معظمہ میں میں نے ان سے ذکر کی حالت پوچھی، کہا بریانی زردے کھاتے ہیں، مجاہدہ کہاں ہوتا ہے۔ شاہ غلام علی دہلوی نے فرمایا کہ لفظ فقیر میں چار حروف ہیں ف میں فاقہ کیطرف اشارہ ہے تو فاقہ کشی کہاں ہے، ق میں قناعت کیطرف تو قناعت ہم لوگوں میں کہاں ہے، ی میں یاد حق کی طرف اور ر میں ریاضت کی طرف اشارہ ہے، تو وہ بھی نہیں اگر فاقہ کرلیا تو فضل رب حاصل ہوگا تو وہی ف فضل بن جائے گا۔ اگر قناعت کی تو قرب حق حاصل ہوگا، یاد حق میں لگا رہا تو اس کو بھی یاد حق حاصل ہوگی، اور ر سے رحمت کا مستحق ہوگا۔ ورنہ ف فضیحت ق قباحت ی یاس اور ر رسوائی کا موجب بن جائے گی۔

فرمایا: ہم نے تبلیغ کو ایک ذریعہ بنا دیا ہے اصلاح کا، ورنہ سلوک کہاں سلوک والے لوگوں کو ٹالتے تھے کہ استخارہ کرو، جاؤ غور و فکر کرکے بیعت کی رائے قائم کرو — مگر ہم پھنساتے ہیں اور خود بلاتے ہیں تاکہ کسی طرح ادھر آجائے اور جس کدھر اس راستہ سے اصلاح ہوتی ہے بندگان حق کے ذریعہ سے۔ زبانی تعلیم سے اتنا اثر نہیں ہوتا جتنا صحبت اور حال سے تاثر ہوتا ہے۔ صحیح طبیعت والے کے قلب سے صحیح اثرات کا انعکاس ہوگا، بری طبیعت سے برے اثرات کا انعکاس ہوگا، اس لئے ذکر اور صحبت صحیح اس زمانہ میں حفظ ایمان کے لئے ضروری چیز اور بہترین سامان ہے۔

فرمایا: یہ بیعت ابتدائے اسلام سے خاص و عام (علماء و عوام) میں جاری رہی، ہر عصر ہر زمانہ ہر قرن میں اہل اللہ کے ہاتھ پر علماء اور عوام نے بیعت کی ہے یہ بیعت بیعت توبہ ہے۔ ایسے شیخ کو تلاش کرے جو عالم شریعت ہو، باعمل ہو، آمر بالمعروف ناہی عن المنکر ہو،

اچھی باتوں کا بتلانے والا ہو اور اس کا سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ چکا ہو، تمام ظاہری باطنی چھوٹے بڑے گناہوں سے توبہ کراتے اور بیعت کرنے والا آئندہ زندگی کے لئے اس بات کا وعدہ کرے کہ جہاں تک ہو سکے زندگی میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پیروی کروں گا۔ اور خلاف شرع کوئی کام نہ کروں گا۔ مقصد اس بیعت سے قرب حق و رضائے حق ہے، تاکہ آئندہ زندگی سنت اور شریعت والی زندگی ہو تاکہ خاتمہ ایمان پر ہو، باایمان اس دنیا سے چلا جائے، اگر صغیرہ گناہ پر مداومت کی جائے وہ بھی کبیرہ بن جاتا ہے۔ انگریزی بال رکھنا، ڈاڑھی منڈانا سب گناہ ہیں۔

ایک شخص کو بیعت کرتے وقت فرمایا: پاکستانی زمین بڑی عجیب ہے، بڑی سرسبز ہے، قبولیت کی صلاحیت رکھتی ہے، لوگوں میں انابت اور توبہ کا جذبہ موجود ہے۔

فرمایا: ایک مجلس میں ایک صاحب مودودی جماعت کے امیر تھے، میرے سامنے اسکی اور جماعت کی بڑی تعریفیں کرنے لگے میں نے ڈانٹ دیا کہ اتنی تیز باتیں مت کرو، سیاست تو ہمارا دین ہے، دین پر چلنا ہی سیاست ہے، افراد کی اصلاح کرو تو سیاست خودبخود ٹھیک ہو جائے گی، مودودی کا کام مجھے تبلاؤ اور میں ایسے بیشمار ایک ایک فرد کی مثالیں پیش کرتا ہوں کہ ان کے ایک جگہ جانے سے سینکڑوں کی اصلاح ہو جاتی ہے، ڈاڑھی چھوڑنے لگتے ہیں، گناہوں سے تائب ہو جاتے ہیں، تم مجھے تبلاؤ کہ مودودی صاحب نے کسی ایک کی بھی اصلاح کی کہ اس کا ظاہر بھی شریعت کے مطابق ہو جائے، سب ڈاڑھی کٹے ہوتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ مجھے محمدی ڈاڑھی چاہئے، مودودی ڈاڑھی نہیں۔ مودودی کسی امام کا مقلد نہیں کسی ایک بزرگ کا معتقد نہیں اس نے صحابہؓ تک کو تنقید سے نہیں چھوڑا، تو میں نے کہا کہ ایسے شخص کی اتنی تعریف مت کرو۔

بعد از نماز مغرب ایک دفعہ جب کہ مسجد نبوی سے مکان جاتے ہوئے حضرتؒ کے ساتھ تنہا جا رہا تھا تو فرمایا کہ ابتداء میں میں جب یہاں آیا تو کئی حج یہاں سے عرفات تک پیدل کئے۔ پانی کی مشک اور سامان ضرورت اٹھائے ہوئے جب ہمارے رفقاء پیدل جاتے اور ذکر و اذکار میں محو ہوتے تو عجیب لطف ہوتا۔ اس قسم کے پُر از مشقت حج میں پہلی دفعہ جو کیفیت محسوس ہوئی وہ پھر نہ ہوئی میں نے عرفات کے میدان میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو خواب میں دیکھا کہ انہوں نے دو پلیٹوں میں دو تلی ہوئی مچھلیاں میرے سامنے رکھیں اور

فرمایا کہ ھذا حج مبرور وھذہ عمرۃ متقبلۃ۔ (یہ ایک مقبول حج اور دوسرا مقبول عمرہ ہے)۔

فرمایا : بعد از عصر مجلس میں قاری نے تلاوت فرمائی تو فرمایا : کہ قرآن مجید کی یہ حلاوت کسی اور چیز میں بھی ہے۔ یہ قرآنِ کریم کی نعمت ہے۔ الحمد للہ الذی اعزنا بالاسلام و شرفنا بہ۔ میں جب پہلی بار مدینہ حاضری میں حرم شریف میں حاضر ہوتا تو ایک عجیب خوشبو مزار مبارک کے اندر سے آتی تھی اور مجھے محسوس ہوتی تھی، جب رخصت ہو کر واپس جانے لگا تو رابغ تک محسوس ہوتی رہی، وہ ایک خاص قسم کی خوشبو تھی۔ جالی مبارک اور کلام پاک کی خوشبو اور حضورِ اقدس کے مزار کی خوشبو تو میری زبان سے بے اختیار نکلا کہ یہ کفار یہاں آکر کیوں یہ خوشبو نہیں پاتے کہ مسلمان ہو جائیں کوشش چاہیے کہ اسلام کی نعمت حاصل ہو۔ صحابہؓ کے اخلاق اور حضور کی صفات نصیب ہوں۔

حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کے مزار سے بعد از وفات خوشبو آنے لگی تھی اور اخبارات میں بھی نکلا، اس کا تذکرہ ہوا تو فرمایا : بیشک یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت کی مثال بارش جیسی ہے۔ لایدری فی اولہم خیر ام فی آخرہ۔ اول میں بھی خیر ہے آخر میں بھی خیر ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں علماء صلحاء اور مشائخ کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا ۔۔۔ بایزید بسطامیؒ ایک دن نصاریٰ کے گرجے میں لباس نصاریٰ پہن کر تشریف لے گئے ان کی عبادت کا ایک خاص دن ہوتا ہے۔ جب پادری خطبہ دینے کھڑا ہوا تو اسکی زبان بند ہو گئی تو کہا کہ کسی اجنبی شخص کی وجہ سے میرے قلب پر اثر ہوا کہ زبان چلتی نہیں، لوگوں نے تلاش شروع کی مگر بایزید کو پہچان نہ سکے۔ جب پادری دوبارہ منبر پہ کھڑا ہوا تو دوبارہ اسکی زبان بند ہو گئی تو تلاش شروع کر دائی اور کہا کہ ظاہری لباس کو مت دیکھو بلکہ اجنبی چہرہ اور صورت کو پہچاننے کی کوشش کرو۔ صورت نئی تھی اور حضرت بایزید کو پہچان گئے، پادری کو بتلایا تو وہ آیا، ہاتھ چومے اور فوراً کلمۂ شہادت پڑھ لیا۔ اور کلمہ کیا پڑھا کہ مجلس میں جتنے لوگ تھے سب نے کلمہ پڑھا۔ مولانا رومؒ نے اس مقام پر لکھا ہے کہ شانِ الوصیت دیکھئے کہ ایک شخص کو لباس نصرانیت پہنا کر سینکڑوں ہزاروں سے لباس نصرانیت اتروا دیتا ہے۔ تو اللہ والوں کی بعض ظاہری چیزیں اس قسم کی ہوتی ہیں اور اس سے بھی اتنا خیر ظاہر ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بزرگوں پر تنقید سے بچائے۔

خواجہ عزیزان رامتنی سے کسی نے پوچھا تصوف کیا ہے ؟ فرمایا اتصال و انفصال

جوڑنا اور توڑنا، یعنی اللہ سے جوڑنا اور مخلوق سے توڑنا ـــــ سوال کرنے والا کپڑا بنتا تھا، جوڑنا توڑنا اس کا کام تھا، تو اس کے پیشے کے مطابق اسے جواب دیا۔ ایک دفعہ آپ خوارزم تشریف لے گئے تو شہر میں داخلہ کے وقت فرمایا کہ بغیر اذنِ ملکی اور خاص فرمان کے داخل نہیں ہو سکتا۔ بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ خواجہ عزیزان شہر میں اذن ملکی اور آپ کی سند سے داخل ہونا چاہتے ہیں، بادشاہ نے ہنسی مذاق کیا اور کہا کہ بر لشاج آئے گا اور اسے شاہی مہر دی جائے گی، اور ہنسی مذاق میں اجازت دی اور مہر لگوا دی۔ شہر میں داخل ہوئے تو وہاں کے مزدوروں کے پاس پہنچ کر کہا کہ آج عزیزان کے ساتھ کام کرو مزدوری بہت ملے گی، کام آسان ہے ساتھ ہو لئے عصر تک انہیں بٹھایا، نماز سکھائی مراقبہ کروایا اور اچھی خاصی مزدوری بھی دی۔ ہمارے مشائخ نے ایسی قربانیاں ہدایت کے لئے دیں دوسرے دن مزدوروں کا اور بھی جمگھٹا ہو گیا، یہاں تک کہ بازار میں مزدور نہ ملتا تھا، شکایت بادشاہ تک پہنچی کہ ایسا شخص آیا ہے، اور اس نے یہ سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ سارے مزدور اس کے پاس جمع ہو گئے ہیں۔ اور اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو سارا انتظام گڑبڑ ہو جائے گا، کام کے لئے کوئی مزدور نہ ملے گا۔ بادشاہ نے خواجہ عزیزان کو بلایا اور کہا میں تو بادشاہ کی اجازت اور مہر سے یہاں داخل ہوا ہوں۔ بادشاہ نے یہ سن کر کہا کہ ارے یہ تو بڑا عقلمند ہے، ہم نے تو دیوانہ سمجھ کر مذاق کیا تھا۔ الغرض بادشاہ اور مصاحب بھی بیعت ہوئے، ہمارے شاہ خالد رومی نے مکہ میں ایک خلیفہ کو اپنی طرف سے رقم بھیجی کہ میں تم کو دیتا رہوں گا، مگر کسی حاجی سے کچھ نہ لینا کہ ہمارے مشائخ پر کوئی ہاتھ نہ اٹھائے اور ان پر حرف نہ آئے، یہ تھے ہمارے اسلاف اور اکابر ــ

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

جہاں بھی ہمارے بزرگوں نے قدم رکھا وہاں ایک عالم روشن کر دیا ہمارا مقصد بھی خدا کرے کہ صرف رضائے حق، قربِ حق و رضائے حق ہو جائے، باقی سب (چھلکے) ہیں۔

ایک سوال کے جواب میں فرمایا: کہ مسجد نبوی کی فضیلت کہ ایک نماز کے عوض ایک ہزار کا ثواب ہے مردوں کے لئے ہے عورتوں کیلئے نہیں ان کیلئے گھر ہی میں نماز پڑھنا افضل ہے خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ عورتیں بناؤ سنگھار کر کے اور عطر لگا کر جاتی ہیں، تو اور بھی برا ہے، ہاں چونکہ باہر سے دور دراز سے عورتیں سفر کر کے آتی ہیں تو انہیں بھی چاہیے کہ سادہ اور باپردہ لباس میں جائیں اگر پورے پردے میں جاتی ہیں، شریعت کی حدود کے اندر رہتی ہیں تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سعت کا اجر اور بدلہ انہیں دیدے۔

(جاری ہے)

سیدنا حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

بروایت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

گذشتہ سے پیوستہ

۱۸۔ فرمایا : ہمارے مرشد حضرت حاجی صاحبؒ نے ایک مرتبہ ایسی عجیب اور گہری بات فرمائی جو آج تک ریفارمر کی زبان پر نہیں آئی۔ فرمایا : لوگ اتفاق اتفاق پکارتے ہیں۔ اور اتفاق کی جڑ ان میں نہیں۔ محض باتوں سے اتفاق کرنا چاہتے ہیں۔ اتفاق کی جڑ ہے تواضع۔ جو لوگ متواضع ہوں گے ان میں نزاع ہو ہی نہیں سکتا اور نا اتفاقی ہمیشہ کبر سے ہوتی ہے۔ اور بغیر تواضع اتفاق ہو ہی نہیں سکتا۔ جب ہر شخص میں تواضع ہوگی تو ہر شخص اپنے اوپر دوسرے کے حقوق سمجھے گا، اور ان میں اپنے کو قاصر پائے گا، تو سب کے سب ایک دوسرے کے سامنے بچھیں گے۔ (فوائد الصحبۃ صـ ۲۹، محاسن الاسلام صـ ۳۹)

۱۹۔ فرمایا : کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب کا یہ مصرع "جوانی گئی زندگانی گئی" (پورا شعر یہ ہے — دریغا کہ عمر جوانی گئی — جوانی گئی زندگانی گئی۔) سن کر جوانی میں ہم کو خیال ہوتا تھا کہ جوانی کے جانے سے زندگی کیونکر جاتی رہتی ہے۔ آخر بڑھاپے میں بھی تو زندگی رہتی ہے۔ مگر بڑھاپا آنے کے بعد مشاہدہ ہوگیا کہ حاجی صاحبؒ نے سچ فرمایا تھا۔ واقعی — کہ جوانی گئی زندگانی گئی — اب کسی کام کو دل نہیں چاہتا۔ بس یوں جی چاہتا ہے کہ ہر وقت پلنگ پر لیٹے رہیں۔ (علم الصوف عن رغم الانوف صـ ۴۷)

۲۰۔ فرمایا : مولانا روم فرماتے ہیں ؎

قافیہ اندیشم و دلدارِ من　　　　گویدم مندیش جز دیدارِ من

یعنی جب میں قافیہ سوچتا ہوں تو محبوب یوں فرماتے ہیں کہ ہمارے دیدار کے سوا کسی چیز کو مت سوچو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مثنوی میں جس قدر قافیے ہیں وہ سب بے تکلف خود ہی آ گئے ہیں، سوچ کر نہیں لائے گئے مگر اس پر بھی مثنوی کی بلاغت کا یہ حال ہے کہ مومن خاں دہلویؒ کا مقولہ حضرت مرشدی علیہ الرحمۃ نقل فرماتے ہیں کہ میں نے مومن خاں سے پوچھا بعض لوگ کہتے ہیں کہ مولانا کا کلام حجت نہیں۔ مومن خاں نے کہا کہ کسی جاہل کا قول ہو گا۔ مولانا کا استادانہ کلام ہے۔ (مظاہر الاقوال صـ۴)

۲۱۔ فرمایا: جب ہمارے حاجی صاحبؒ نے اس مسجد (پیر محمد والی) میں قیام کا ارادہ کیا، کیونکہ پہلے یہ سہ دری بنی ہوئی نہ تھی۔ حضرت میاں جی صاحب قدس سرہ کے حکم سے بنی ہے۔ تو حاجی صاحبؒ کے بیٹھنے سے پہلے اس مسجد میں ایک بزرگ حسن شاہؒ رہتے تھے، صاحب سماع تھے مگر سچے آدمی تھے، دوکاندار نہ تھے۔ جب انہوں نے حاجی صاحبؒ کو یہاں قیام کرتے دیکھا تو وہ اپنا بستر لپیٹ کر شاہ ولایت میں جا پڑے اور فرمایا کہ اب شیخ بستی میں کامل آگیا ہے اس کے سامنے مجھے بستی میں رہنے کی ضرورت نہیں، وہ جنگل میں جا پڑے اور اپنی زندگی کے دن پورے کئے، واللہ میں اس ادا کا عاشق ہوں، افسوس اب ہمارے اندر یہ باتیں نہیں رہیں۔ اسی طرح حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتیؒ اپنے شیخ علی احمد صابرؒ کے حکم سے پانی پت تشریف لائے اور یہاں قیام کا ارادہ کیا تو پانی پت میں شاہ بو علی قلندرؒ پہلے سے موجود تھے۔ انہوں نے اپنے ایک مرید کے ہاتھ کٹورے میں پانی بھر کر شیخ شمس الدینؒ کے پاس بھیجا۔ حضرت شیخ شمس الدینؒ نے اس پر ایک پھول رکھ کر واپس کر دیا۔ لوگ اس رمز کو نہ سمجھے تو انہوں نے قلندر صاحبؒ سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات تھی۔ فرمایا: کہ میں نے شیخ شمس الدینؒ سے یہ کہا تھا کہ پانی پت میرے اثر سے ایسا بھرا ہوا ہے جیسے یہ کٹورا پانی سے بھرا ہوا ہے، اس میں کسی دوسرے کی گنجائش نہیں۔ آپ فضول تشریف لائے تو انہوں نے جواب دیا کہ میں اس طرح رہوں گا جیسے پانی پر پھول رہتا ہے۔ پانی کی جگہ کو نہیں گھیرتا، یعنی میں آپ کے اثر میں تصرف نہیں کروں گا۔ اس کے بعد شاہ بو علی قلندرؒ خود ہی بستی چھوڑ کر جنگل کی طرف تشریف لے گئے۔ گویا حضرت شیخ شمس الدین کو اجازت دے دی کہ تم جس طرح چاہو تصرف کرو۔ اب ہماری ضرورت نہیں۔ (ارضاء الحق حصہ دوم صـ۵۲)

۲۲۔ فرمایا: حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ میاں اشرف علی ٹھنڈا پانی پیا کرو۔

جب ٹھنڈا پانی پیو گے ہر بن مو سے الحمد للہ نکلے گا۔ اور اگر گرم پانی پیو گے تو زبان تو الحمد للہ کہے گی مگر اندر سے دل ساتھ نہ دے گا۔ پھر فرمایا جسطرح ٹھنڈا پانی نعمت ہے اسی طرح پیاس بھی نعمت ہے۔ کیونکہ اس سے اس نعمت کی قدر ہوتی ہے۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ رمضان میں افطار کے وقت سرد پانی سے کتنی مسرت ہوتی ہے۔ بلکہ اہتمام سے برف وغیرہ سے سرد کیا جاتا ہے۔ سبحان اللہ یہ ہیں علوم اس ارشاد سے پیاس کا نعمت ہونا معلوم ہوا حالانکہ وہ بھی آثار بشریت اور شہوات دنیا میں ہے۔ (الیسر مع العسر ص۱۴)

۲۳۔ فرمایا: کہ جیسے تمام قرآن شرح ہے۔ صرف تین مضمونوں کی۔ توحید، رسالت اور معاد۔ اسی طرح حضرت حاجی صاحبؒ نے ساری مثنوی کا خلاصہ نکالا تھا کہ تمام مثنوی میں دو مضمون اصل مقصود ہیں۔ ایک توحید حالی، دوسرے حقوق شیخ (ملفوظات کمالات اشرفیہ ص۳۰)

حقوق شیخ کے بارے میں حضرت مولانا عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ نے خوب فرمایا ہے ؎

تین حق مرشد کے ہیں رکھ انکو یاد اعتقاد و اعتماد و انقیاد

۲۴۔ فرمایا: کہ ہمارے حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا کی مثال آخرت کے ساتھ ایسی ہے جیسی پرندہ اور سایہ۔ آخرت پرندہ ہے اور دنیا سایہ۔ تم پرندے کو پکڑ لو سایہ خود بخود اس کے ساتھ چلا جائے گا۔ اور اگر سایہ کو پکڑو گے تو نہ وہ قبضہ میں آئے گا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ طالب آخرت کے پاس بہت سامال آجاتا ہے۔ بلکہ حق تعالیٰ اپنے چاہنے والوں کو راحت اور چین دیتے ہیں، اور ایسی راحت دیتے ہیں کہ بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں ہوتی۔ چاہے اس کے پاس مال و دولت کچھ نہ ہو مگر اطمینان اور شرح قلب سب سے زیادہ ہوتا ہے۔

(کمالات اشرفیہ ص۴۲) مرشدنا حضرت حکیم الامت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا مطلوب نہیں لیکن آخرت کے ساتھ دنیا خود آجاتی ہے جیسے حج کو جاتے وقت کراچی (یا بمبئی) کی سیر مقصود نہیں ہوتی لیکن راستہ میں کراچی خود آجاتی ہے۔ (القول العزیز)

۲۵۔ فرمایا: کہ حضرت حاجی صاحبؒ دو شخص کو ہجرت سے منع فرماتے تھے، ایک تو دنیا داروں کو کیونکہ یہ لوگ مکہ کے حقوق کیا ادا کریں گے، دوسرے علماء و مقتداؤں کو، کیونکہ ان کی ہجرت سے ہندوستان بم پولیس ہو جائے گا چنانچہ ارشاد ہے کہ دل بمکہ و جسم بہ ہندوستان بہ از آنکہ جسم بہ مکہ و دل بہ ہندوستان۔ یعنی دل مکہ کیطرف لگا ہو اور جسم ہندوستان میں ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ جسم مکہ میں ہو اور دل ہندوستان میں اٹکا ہو۔ اسی لئے حضرت عمرؓ کی عادت

تھی کہ حج سے فارغ ہونے کے بعد لوگوں سے کہتے پھرتے تھے کہ اب حج ہو چکا، اب گھر کا رستہ لو، یَا اَھْلَ الْیَمَنِ یَمَنُکُمْ وَیَا اَھْلَ الشَّامِ شَامُکُمْ وَیَا اَھْلَ الْعِرَاقِ عِرَاقُکُمْ۔ حضرت عمرؓ بڑے حکیم تھے، وہ جانتے تھے کہ حج کے بعد قدرتی طور پر وطن کا اشتیاق ہوگا، تو اب ایسی حالت میں مکہ کے اندر قیام کرنا باطن کے لئے مضر ہے۔ اس دربار میں اپنے گھر کو یاد کرتے ہوئے نہ رہنا چاہیئے، یہ بڑی گستاخی ہے۔ (کمالات اشرفیہ ص۴۵، تفاضل الاعمال ص۱۲، محاسن الاسلام ص۹)

۲۶۔ فرمایا: ایک دفعہ کسی نے شریف مکہ اور حکام کی شکایت حاجی صاحبؒ کی مجلس میں کی جو صورۃً غیبت تھی کہ یوں ظلم کرتے ہیں۔ یوں پریشان کر رکھا ہے۔ حضرت نے سنتے ہی معاً فرمایا کہ ہاں بھئی آجکل اسماء جلالیہ کا ظہور ہو رہا ہے۔ (جلالیہ اور جمالیہ کے وہ معنی نہیں جو عاملین کہتے ہیں جن میں ان کے نزدیک گوشت چھوڑ دینا ضروری ہے وہ تو ایک مخترع اصطلاح ہے۔ بلکہ مراد اسماء جلالیہ سے اسماء قہریہ اور اسماء جمالیہ سے اسماء لطیفہ ہیں، تو یہ سختی وغیرہ جو کچھ ہوتی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ظہور ہوتا ہے، اور اس میں خدا تعالیٰ کی حکمتیں ہوتی ہیں۔) وہاں تو دل میں ایک ہی لپا ہوا تھا۔ اس کے بعد مسئلہ توحید اور وحدت الوجود اور مسائل سلوک کی تحقیقات شروع ہوں گی، جس سے وہ غیبت علم و حکمت بن گئی، آجکل گودڑ کا کاغذ بنتا ہے ہم نے حاجی صاحبؒ کے یہاں گودڑ کی کتاب بنتے ہوئے دیکھا ہے کہ کیسی ہی لغو اور فضول بات کسی نے کہی ہو مگر حضرت نے اس پر ایک علم عظیم متفرع فرمایا۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ حضرت وقت کے امام تھے اور اکثر محققان سلف سے بڑھے ہوئے تھے۔ (جمال الجلیل ص۲۷، النور ص...)

۲۷۔ فرمایا: ؎

ہر چہ گیرد علتی علت شود ہرچہ گیرد کاملے ملت شود

علتی جو کچھ اختیار کرتا ہے علت ہوتی ہے، کامل اگر کفر بھی اختیار کرے گا ملت ہوگا۔ اسکی توجیہہ میں حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ پہلے مصرعہ کا مصداق منافق ہے کہ کلمہ توحید پڑھنا اس کے لئے درک اسفل من النار یعنی دوزخ کے سب سے نیچے کے درجہ میں پہنچنے کا سبب ہو گیا اور دوسرے مصرع کے مصداق عمار بن یاسرؓ ہیں جنہوں نے کفار کے مجبور کرنے سے کلمہ کفر جاری کر لیا اور کلمہ کفر کا تلفظ کرنے کے بعد روتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو فوراً وحی الٰہی میں قانون اکراہ نازل ہو گیا۔ مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ مِنْ بَعْدِ

اِیْمَانِہٖٓ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ وَلٰکِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْکُفْرِ صَدْرًا فَعَلَیْھِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰہِ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ جو شخص اللہ پہ ایمان لانے کے بعد میں اللہ کے ساتھ کفر کرے مگر جس شخص پہ زبردستی کی جائے بشرطیکہ اس کا قلب ایمان پہ مطمئن ہو لیکن ہاں جو کھول کر کفر کرے تو ایسے لوگوں پہ اللہ کا غضب ہوگا، اور انکو سخت عذاب ہوگا۔ گو آیت اکراہ نازل ہونے کے بعد حضرت عمار بن یاسرؓ کا فعل قانونِ شریعت بن گیا۔ (جمال الجلیل صہ ۳۶، استمرار التوبہ صہ ۱۴)

۲۸۔ فرمایا: کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں ظاہری محاسبہ نہ تھا مگر برکت اتنی زبردست تھی کہ محاسبہ میں وہ کام نہیں بن سکتا جو حضرت کے یہاں بلا محاسبہ ہی بن جاتا تھا۔ یہ محض حضرت کی برکت تھی۔ (کمالات اشرفیہ صہ ۲۹۱)

۲۹۔ فرمایا: حافظ محمد ضامن صاحبؒ اور ہمارے حاجی صاحبؒ میں یہ معاہدہ قرار پایا تھا کہ جہاں ایک صاحب بیعت ہوں دوسرے کو خبر کر دیں۔ وہ بھی انہیں بزرگ سے بیعت ہو جائیں گے۔ پھر حضرت حاجی صاحبؒ لوہاری جا کر میاں جی صاحبؒ (قطب عالم حضرت میانجیو نور محمد صاحبؒ جھنجھانوی لوہاروی) بیعت ہو گئے اور حافظ صاحبؒ سے تذکرہ کرنا بھول گئے۔ جب حافظ صاحبؒ نے دیکھا کہ یہ بار بار لوہاری جاتے ہیں تو دریافت کیا کہ آپ بار بار لوہاری کیوں جاتے ہیں۔ فرمایا میں ایک بزرگ سے بیعت ہو گیا ہوں، فرمایا: ہم سے تو معاہدہ ٹھہرا تھا کہ دونوں ایک جگہ بیعت ہوں گے، ہم سے تذکرہ کیوں نہ کیا۔؟ فرمایا میں بھول گیا تھا اب چلے چلو۔ چنانچہ حافظ صاحبؒ بھی ہمراہ ہو لئے، جب آپ لوہاری پہنچے تو میاں جی صاحبؒ نے دریافت فرمایا کہ حافظ صاحب کیسے آئے، عرض کیا: حضرت بیعت کے ارادہ سے آیا ہوں۔ فرمایا: بھائی میں تو بزرگ نہیں ہوں ایک میاں جی ہوں، بچوں کو پڑھاتا ہوں، کسی بزرگ سے بیعت ہونا چاہیئے۔ حافظ صاحبؒ نے کہا میں نے تو اپنا ارادہ عرض کر دیا، آگے آپ کو اختیار ہے۔ اس کے بعد حافظ صاحبؒ ہمیشہ لوہاری آتے جاتے رہے اور بیعت کے لئے پھر عرض نہیں کیا۔ آخر میاں جی صاحبؒ نے ایک بار خود ہی فرمایا کہ حافظ صاحبؒ کیا اب بھی وہی خیال ہے۔ حافظ صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت میں تو دل سے بیعت ہو چکا ہوں۔ کیونکہ بیعت اعتقاد ہی ہے، باقی بزرگوں سے اصرار کرنا بے ادبی ہے۔ اس لئے صورت بیعت پر میں نے اصرار نہیں کیا۔ فرمایا، اچھا وضو کر کے آجاؤ اور بیعت ہو جاؤ، دیکھئے حافظ صاحبؒ نے صورت بیعت پر اصرار نہیں کیا، بس اپنے اعتقاد اور انقیاد کو کافی سمجھا، پھر خود ہی شیخ نے بیعت کے لئے فرمایا تو صورت بیعت بھی نصیب

ہوگئی۔ مگر حافظ صاحبؒ کو جیسے شیخ نے دیر سے بیعت کیا تھا۔ ایسے وہ بھی بہت دیر میں بیعت کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے مریدوں سے اسکی کسر نکالی۔ چنانچہ عمر بھر میں آٹھ سے زیادہ آپ کے مرید نہیں۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ آپ نے حاملانِ عرش کی تعداد پوری کردی کیونکہ وہ بھی آٹھ ہیں، اور حضرت حاجی صاحبؒ بہت جلد بیعت کر لیتے تھے کیونکہ میاں جی صاحبؒ نے آپ کو فوراً بیعت کر لیا تھا حضرت حاجی صاحبؒ پہلے شاہ نصیر الدین صاحبؒ سے بیعت ہوئے تھے، پھر تکمیل سے پہلے ان کا وصال ہوگیا تھا۔ اور شاہ سلیمان صاحبؒ سے کبھی کبھی بیعت کا ارادہ ہوتا تھا کیونکہ وہ اس وقت مشہور تھے۔ اسی عرصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو (یا اپنے مشائخ میں سے کسی کو الشک منی) خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک بزرگ ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاجی صاحبؒ کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ یہ تمہارے شیخ ہیں، حاجی صاحبؒ خواب سے بیدار ہوئے تو بڑے پریشان تھے کہ یا اللہ یہ کون بزرگ ہیں اور کہاں رہتے ہیں۔ کیونکہ خواب میں کچھ بتلایا نہیں تھا۔ آخر ایک دن کسی شخص سے میاں جی صاحبؒ کا تذکرہ سنا تو قلب کے اندر میاں جی صاحبؒ کیطرف سے ایک خاص کشش پائی، معلوم ہوا کہ وہ یہاں سے قریب ہی لوہاری میں رہتے ہیں، تو حضرت نے زیارت کا ارادہ کیا۔ اب حالت یہ تھی کہ جوں جوں لوہاری کی طرف بڑھتے جاتے ہیں اسی قدر دل میں کشش بڑھتی جاتی ہے جیسے کوئی کھینچ رہا ہو۔ جب لوہاری پہنچے اور میاں جی صاحبؒ کی صورت دیکھی تو بعینہ وہی صورت تھی جو خواب میں دکھائی گئی تھی۔ اب تو حاجی صاحبؒ کی اور ہی حالت ہوئی۔ قریب جاکر سلام عرض کیا تو میاں جی صاحبؒ نے دریافت فرمایا، صاحبزادے کیسے آنا ہوا، بس حاجی صاحب پر گریہ طاری ہوگیا، اور جوش میں عرض کیا: کیا حضرت کو معلوم نہیں ہے۔؟ (نہ معلوم اس وقت حضرت حاجی صاحبؒ پر کیا حالت تھی۔) اس کے جواب میں میاں جی صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ صاحبزادے خواب وخیال کا کیا اعتبار۔ اور اس میں خواب کی طرف اشارہ تھا۔ اب تو حاجی صاحبؒ کو اور بھی یقین ہوگیا اور زیادہ گریہ طاری ہوگیا۔ اب میاں جی صاحب نے تسلی فرمائی، کہ میاں گھبراؤ نہیں، جو تم چاہتے ہو ہو جائے گا۔ چنانچہ فوراً بیعت فرمالیا۔ حضرت حاجی صاحبؒ پر یہی اثر غالب تھا کہ طالب کو پریشان نہیں کرتے تھے، مگر دونوں صاحبوں کی نیت بخیر تھی۔ حاجی صاحبؒ کی نیت وسعت رحمت پر تھی، اس لئے فیض کو عام کر رکھا، اور حافظ صاحبؒ کی نظر اس پر تھی کہ سلسلہ کی بے قدری نہیں کرنا [illegible] بلکہ اچھی طرح طلب کا امتحان کرنے کے بعد بیعت کرنا چاہئے

(علاج الحرص صہ ۲۲)

۳۰۔ فرمایا: ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں ایک بار مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور بہت سے مشاغلین ابتدائی تعلیم کے زمانہ میں حاضر تھے۔ سب لوگ حضرت سے اپنے حالات کہتے اور حضرت اس پر کچھ ارشاد تلقین فرماتے تھے، مگر مولانا کوئی حال بیان نہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت نے خود پوچھا کہ آپ کچھ حال نہیں کہتے تو مولانا رونے لگے اور کہا۔ ع

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل

اور عرض کیا حال تو کیا کہوں وہ تو درکنار مجھ سے ذکر تک بھی نہیں ہوتا۔ جب بیٹھتا ہوں زبان جیسے جکڑ جاتی ہے اور قلب پر ایسا بوجھ ہوتا ہے کہ بارہ تسبیح بھی پوری نہیں ہو سکتی۔ حضرت نے بالبدیہہ فرمایا مبارک ہو یہ حالت ثقل وحی کا نمونہ ہے، انشاء اللہ علوم نبوت سے آپ کو حصہ ملے گا، یہ وہ زمانہ تھا کہ مولانا نے علوم و حقائق میں ایک سطر بھی نہیں لکھی تھی، اس وقت کونسا ظاہرا قرینہ ایسا موجود تھا جس سے اندازہ کیا جا سکے کہ اسکی تعبیر یہ ہے اور ایسا ہونے والا ہے۔ یہ شیخ کامل کا کام تھا۔ (اول الاعمال ص ۴۲)

۳۱۔ فرمایا: (قولہ تعالیٰ شانہ) اُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائے گا۔ چنانچہ اس کے متعلق حضرت حاجی صاحبؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اس آیت میں سیئات سے مراد وہ طاعات و عبادات ہیں جو پورے حکم کے موافق نہ ہوں۔ اور یہ ضرور مشکل کام ہے کہ طاعات و عبادات پورے حکم کے موافق ہوا کریں، کیونکہ اول ہم تو اس کا ارادہ و اہتمام ہی نہیں کرتے اور یہ کھلا ہوا جرم ہر وقت ہم پر موجود ہے، دوسرے اہتمام کر بھی لیں تو بے پرواہی ہو جائے گی۔ اپنے روزہ اور نماز کو دیکھ لیجئے کہ ان کی کیا حالت ہے، اخلاص پایا نہیں جاتا، دوسرے آداب مخل رہتے ہیں۔ غرض یہ اعمال ہماری نظر میں حسنات ہیں اور درحقیقت حسنات نہیں، ایک قسم کے مکروہات ہیں اور آیت مذکورہ بالا میں حسب ارشاد حاجی صاحبؒ سیئات سے یہی مراد ہیں جنکی نسبت خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ انکو حسنات میں لکھ لیں گے۔

(شوق اللقاء ص ۲۴)　　(جاری ہے)

★

مجاہد جلیل

مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

شہداء بالاکوٹ کا اصلی مقابلہ انگریز سے تھا ـــــــ!

گذشتہ سے پیوستہ ـــــــ

اس کے بعد دوسرے مسئلہ کو لیں یعنی شہداء بالاکوٹ کے مدمقابل کون تھے، سکھ یا انگریز۔؟
جہاں تک اس مسئلہ کا تعلق ہے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ آپ کی جو لڑائیاں وقوع پذیر ہوئیں ان میں مدمقابل سکھ ہی تھے اور سکھوں سے جہاد کرتے ہوئے ہی آپ شہید ہوئے لیکن کیا آپ کا منتہائے مقصود سکھوں سے ہی نبرد آزما ہونا تھا یا کچھ اور ـــ؟
سطحی قسم کے لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ منتہائے مقصود یہی کچھ تھا اور بس۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بعض روایات بھی پیش کی جاتی ہیں، لیکن یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ باید وشاید اور تاریخ سے صریح ناواقفی کی کھلی دلیل! ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ حضرات مجاہدین کا مقصد اصلی ہندوستان کو پھر سے دارالاسلام بنانا تھا جو آپ کے شیخ سراج الہند مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے فتویٰ کے پیش نظر دارالحرب بن چکا تھا، ہند کو دارالاسلام بنانے کیلئے سکھوں سے زیادہ انگریز سے دو دو ہاتھ ہونے کی ضرورت تھی۔ لیکن دست قضاء و قدر نے یہ موقعہ ہی مہیا نہ کیا اور آپ اپنے پروگرام کی تکمیل سے پہلے ہی بالاکوٹ کی سرزمین کو لالہ زار بنا کر رفیق اعلیٰ سے جا ملے اگر موقعہ ملتا اور بداندیش وضمیر فروش سرداران قوم کی بدعہدی وغداری سے دوچار نہ ہونا پڑتا تو آج ہند کا نقشہ کچھ اور ہوتا لیکن۔ بہ

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اس کے باوجود مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں بالاکوٹ کی بلندیوں سے شہداء کی پکار ہے اگر ہم آج

بھی کان دھریں اور اس آواز کو کام میں لا کر ان کی طرح سراپا عمل بن جائیں تو نقشۂ عالم وہی ہو سکتا ہے۔

شہداء کی آواز کیا ہے۔ ؟ یہی تو کہ ــــ زندگی کے پست اور تنگ نظریئے کو خیر باد کہو، قوت اقتدار اور ترقی میں ہمالیہ کی چوٹیوں سے بھی بلند ہو جاؤ، کیا کبھی کسی نے اس آواز پر کان دھرا اور اس وجد آفرین نغمہ کو اپنے دل و دماغ میں جگہ دی۔ ؟ نہیں ہرگز نہیں۔

شاعرانِ فرنگ کی تعلیم نے ہمارے دل و دماغ کو ایسا بدلا کہ ہم این و آن کے چکر میں پڑ کر رہ گئے۔ اپنی صلاحیتوں کو ضائع کر دیا، خود مفلوج ہو کر بیٹھ گئے اور نکتہ چینی ہمارا شیوہ بن گیا۔ بالاکوٹ کے مدفنوں سے نکتہ چین حضرات کو آج بھی پکار کر کہا جا رہا ہے ؎

سودا قمارِ عشق میں شیریں سے کوہ کن بازی اگرچہ لے نہ سکا سر تو دے سکا
کس منہ سے اپنے آپکو کہتا ہے عشق باز اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

اے کاش! ہم اس آواز کو سنتے اور سعی و عمل میں لگ جاتے تو ہمارے بلند ہمت اسلاف جو راستہ متعین کر گئے تھے، اس پر چل کر کبھی کی منزل پا لیتے۔ لیکن طاؤس و رباب کی رسیا قوم نے ڈرائنگ روموں میں بیٹھ کر نکتہ چینی کا فن تو سیکھ لیا، ہر عمل سے عاری ہو گئی، فیا للعجب۔

بہرحال آیئے تاریخ کے جھروکوں سے مستند شہادتیں سنیں اور پھر فیصلہ کریں کہ مجاہدینِ اسلام کا مد مقابل کون تھا، سکھ یا انگریز ــــ؟ جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے، اس سے انکار ناممکن ہے کہ تحریک کی ابتدائی کڑی حضرت حکیم الامت مولانا الشاہ محدث الدہلوی ولی اللہؒ تھے۔ حضرت شاہ صاحب ہی وہ پہلے صاحبِ بصیرت انسان ہیں جنہوں نے وطنِ عزیز کے حالات کا بغور مطالعہ کیا اور اصلاحِ احوال کیلئے صحیح صورت کی نشاندہی کی وہ صحیح صورت کیا تھی ــــ؟ یہی کہ فک کل نظام! یعنی سیاسی و سماجی زندگی کے ہر ایک شعبہ میں انقلاب!

آپ مکہ معظمہ میں تھے کہ ۲۱ ذی قعدہ ۱۱۴۴ھ مطابق ۱۷۳۱ء شب جمعہ آپ نے غیر کی یہ آواز سنی کہ ملک و ملت کی فلاح اسی میں مضمر ہے کہ دورِ حاضر کے تمام نظاموں کی دھجیاں بکھیر دی جائیں اور ایک ہمہ گیر انقلاب بپا کیا جائے۔ چنانچہ سفرِ مقدس سے واپسی پر آپ نے نصب العین بھی یہی سامنے رکھا کہ فک کل نظام! (فیوض الحرمین اور شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک صـ ۲۹)

اپنے نصب العین کو تکمیل تک پہنچانے کیلئے آپ نے پہلا قدم تعلیم و تربیت کا اٹھایا، اس کے لئے دہلی، رائے بریلی تکیہ شاہ علم اللہ (جو سید احمدؒ کے بزرگ تھے۔) مدرسہ نجیب آباد اور مدرسہ ملا معین ٹھٹھہ (سندھ) اور لکھنو مراکز مقرر کئے مختلف مقامات پر مختلف حضرات

ان تربیت گاہوں میں متعین ہوئے جن کا کام نظریات حکیم الامت کا پرچار اور اس کے مناسب تعلیم و تربیت تھی، افسوس یہ ہے کہ نشر و اشاعت کی مشکلات اور پریس کی طاقت سے محرومی کے سبب حضرت کے نظریات کا جس طرح پرچار ہونا چاہیئے تھا نہ ہو سکا، ورنہ مارکس اور لینن کی طرح عالم اسباب میں آپ کو بھی وسائل میسّر آجاتے تو آج نقشۂ عالم کچھ اور ہوتا۔ پھر طوائف الملوکی اور قیامت خیز ہنگاموں (جن میں مرہٹوں کی دلی پر یلغار، نادر شاہ کا قتل عام، دلی کی بے پناہ لوٹ اور ابدالی جنگ پانی پت شامل ہیں) کے سبب آپ کو فرصت نہ ملی کہ آپ اپنے انقلابی منشور (مینی فسٹو) کو یکجا مدون اور مرتب کر سکیں اس کے باوجود آپ نے اپنے انقلابی نظریات کو کبھی ترجمہ قرآن کریم کے رنگ میں کبھی تصوّف اور فلسفہ اسلامی کے ضمن میں (حجۃ اللہ البالغہ، بدور بازغہ فیوض الحرمین) کبھی نصیحت و موعظت کے پیرایہ میں (تفہیمات الٰہیہ) اور کبھی تاریخ اسلام اور خصائل صحابہؓ کے جامہ میں (ازالۃ الخفاء) پیش کیا، افراتفری کا دور اور پھر ستم بالائے ستم کہ شاہ صاحب نے ۱۱۷۶ھ مطابق ۱۷۶۳ء میں کتاب زندگی کا آخری ورق پلٹ کر مالک حقیقی کے وصال کا مژدہ جانفزا پالیا۔ آپ کے فرزند رشید شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے بعمر ۱۷ سال والد کے مسند کو سنبھالا اور جس نصب العین کی خاطر عظیم باپ نے ایک پروگرام کی طرح ڈالی تھی اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اپنے آپ کو ہر طرح سے جانشینی کے اہل ثابت کر دیا ـــــ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

اس لائق جانشین نے اپنے عظیم باپ کے نظریات انقلاب کو عام کرنے کیلئے تربیت گاہ کو وسعت دی۔ اس تربیت گاہ کے مقاصد میں حکیم الامت کے نظریات کو ذہن نشین کرانا خدا پرستی، خوفِ خدا اور پاکبازی کا سچا جذبہ پیدا کرنا، ملوکیت و شاہ پرستی کے جراثیم دماغوں سے نکالنا، جذبۂ فدائیت، خدمت خلق، سادگی، فوجی اسپرٹ پیدا کرنا، عیاشی کے تمام اڈے ختم کرنا شامل تھا (شاندار ماضی ص ۱۵۵) اور تربیت کے لئے تین طریقے مقرر ہوئے ـــــ پہلا درس و تدریس کا، جسکی وسعتوں کا یہ عالم تھا کہ پورے ہند میں ایک عالم ایسا نہ رہا جو کسی نہ کسی واسطہ سے شاہ عبدالعزیزؒ سے منسلک نہ ہو۔ (سیاسی تحریک ص ۱۱۱) دوسرا طریقہ روحانی تربیت کا تھا، اور اس میں بھی اس خاندان اور معتقدین کے ایک ایک فرد کو کمال حاصل تھا۔ (تفصیل شاندار ماضی جلد دوم میں دیکھیں) تیسرا طریق پبلک جلسوں کا تھا۔ چنانچہ خود شاہ عبدالعزیزؒ ہفتہ میں دو بار عام جلسوں میں وعظ فرماتے۔

اس تربیت گاہ سے جن گرامی قدر حضرات نے فیض پایا ان میں شاہ عبدالقادرؒ، شاہ

رفیع الدینؒ، شاہ عبدالغنیؒ (برادران شاہ صاحبؒ) شاہ محمد اسحاقؒ، شاہ محمد یعقوبؒ (شاہ صاحبؒ کے نواسے) مولانا عبدالحیؒ (داماد) مولانا شاہ اسماعیلؒ (بھتیجے) سید احمد بریلویؒ مولانا رشید الدینؒ، مفتی صدر الدینؒ، شاہ غلام علی صاحبؒ مولانا کریم اللہؒ، مولانا مخصوص اللہؒ، میر محبوب علیؒ، مولانا عبدالخالق دہلویؒ، مولانا حسین احمد ملیح آبادی، مولانا حسن علی لکھنویؒ، مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ جیسے یگانہ روزگار افراد شامل ہیں، ان کوششوں کا نتیجہ وہی ہوا جو عام طور پر ہوا کرتا ہے۔ یعنی شاہ عبدالعزیزؒ اور آپ کے ساتھیوں کو ستایا گیا۔ ہر طرح غنڈہ گردی ہوئی، جائیداد ضبط ہوئی، شہر بدر ہونا پڑا اور قتل تک کی سازشیں ہوئیں۔ (یاد رہے کہ اس مکروہ پروگرام میں شدید کارپردازان حکومت جو حامی انگریز تھے اور جن کا سرغنہ نجف خان تھا پیش پیش تھے۔)

حالات دگرگوں ہو گئے انگریز دشمن اور حریت پسند قرار دادیں شہید یوں کا شکار ہو کر قتل ہو گئے اور عجیب افراتفری پھیلی۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیزؒ صاحب نے ایک سوال کے جواب میں درج ذیل فتویٰ لکھا۔ (اصل جواب فارسی میں ہے اس کا اردو ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے۔) از فتاویٰ عزیزی ص ۱/۱۷ فارسی مطبوعہ مجتبائی دہلی۔

"یہاں رؤسا نصاریٰ (عیسائی افسران) کا حکم بلا دغدغہ اور بے دھڑک جاری ہے اور ان کا حکم جاری اور نافذ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ملک داری، انتظامات، رعیت، خراج، باج، عشر و مال گذاری، اموال تجارت، ڈاکوؤں اور چوروں کے انتظامات، مقدمات کے تصفیے، جرائم کی سزاؤں وغیرہ (یعنی سول، فوج، پولیس، دیوانی اور فوجداری معاملات، کسٹم، ڈیوٹی وغیرہ) میں یہ لوگ بطور خود حاکم اور مختار مطلق ہیں، ہندوستانیوں کا ان کے بارے میں کوئی دخل نہیں، بیشک نماز جمعہ عیدین، اذان اور ذبیحہ گاؤ جیسے اسلام کے چند احکام ہیں وہ ان میں رکاوٹ نہیں ڈالتے، لیکن جو چیز ان سب کی جڑ اور حریت کی بنیاد ہے۔ (یعنی ضمیر کی آزادی اور آزادی فکر) وہ قطعاً بے حقیقت اور پامال ہے، چنانچہ بے تکلف مسجدوں کو مسمار کر دیتے ہیں، عوام کی شہری آزادی ختم ہو چکی ہے انتہا یہ کہ کوئی مسلمان یا ہندو ان کے پاسپورٹ اور پرمٹ کے بغیر اس شہر یا اس کے اطراف و جوانب میں نہیں آسکتا عام مسافروں یا تاجروں کو شہر میں آنے جانے کی اجازت دینا بھی ملکی مفاد یا عوام کی شہری آزادی کی بنا پر نہیں بلکہ خود اپنے نفع کی خاطر ہے اس کے بالمقابل خاص خاص ممتاز اور نمایاں حضرات مثلاً شجاع الملک اور ولایتی بیگم ان کی اجازت کے بغیر اس ملک میں داخل نہیں ہو سکتے۔ دہلی سے کلکتہ تک انہی کی عملداری ہے، بیشک کچھ دائیں بائیں مثلاً حیدر آباد، لکھنؤ، رامپور میں

چونکہ وہاں کے فرمانرواؤں نے اطاعت قبول کرلی ہے۔ براہ راست نصاریٰ کے احکام جاری نہیں ہوتے (مگر اس سے پورے ملک کے دارالحرب ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔)

پھر فتاویٰ کے صفحہ ۱۵ میں بعض اعتراضات مخالفین کا جواب دے کر ہند کا دارالحرب ہونا ثابت کیا ہے۔

یہی وہ معرکۃ الآراء فتویٰ ہے جس سے ملک میں تہلکہ مچ گیا اور جو دراصل شاہ ولی اللہؒ کے فک کل نظام کے نصب العین کی تکمیل کی پہلی کڑی تھی، اسی نصب العین کی تکمیل کیلئے مختلف گروپ بنائے گئے تھے جن میں سے ایک گروپ سید صاحب کی زیر قیادت بنایا جس میں مولانا عبدالحی اور شاہ محمد اسماعیل جیسے حضرات تھے، اور ان کی ذمہ داریاں پہلے عرض کی جا چکی ہیں، دوسرا گروپ خود آپ کی زیر قیادت تھا جسکا کام مرکز میں رہ کر اسکی مضبوطی کا انتظام کرنا (استحکام) تعلیم و تربیت کا طریق جاری رکھنا اور جنگی گروپ کیطرح مدد کرنا اور کمک پہنچانا تھا، اس گروپ میں مولانا شاہ محمد اسحاق، شاہ محمد یعقوبؒ، مفتی رشید الدینؒ، مفتی صدر الدین دہلویؒ، مولانا حسن علی لکھنویؒ مولانا حسین احمد ملیح آبادیؒ اور مولانا شاہ عبدالغنی دہلویؒ جیسی شخصیتیں شامل تھیں، چنانچہ جنگی بورڈ نے سات سال میں ملک کے تین دورے کر ڈالے۔ بقول مولانا عبیداللہ سندھیؒ: امام عبدالعزیزؒ نے سید احمد شہید کے بورڈ کو پہلی دفعہ ۱۲۳۱ھ میں بیعت طریقت کیلئے دوسری دفعہ بیعت جہاد کیلئے دورے پر بھیجا، اس کے بعد سارے قافلہ سمیت، حج پر جانے کا حکم دیا تاکہ انکی تنظیمی قوت کا تجربہ ہو جائے۔ جب قافلہ ۱۲۳۹ھ میں واپس آیا تو امام عبدالعزیزؒ فوت ہو چکے تھے۔ (سیاسی تحریک صفحہ ۱۱۱) سید صاحب کا پہلا دورہ ہی اپنے اندر عجیب رنگ رکھتا ہے، سماجی اصلاحات، ہندو مسلم بھائی چارے، ورزش، جفاکشی، ضبط و تحمل اور جہاد حریت کی ترغیب اس سفر کے اہم ترین مشاغل تھے، اس کے بعد جب سفر حج ہوا وہ بھی حقیقۃً پروگرام جہاد کی ایک کڑی تھا۔ جو بقول مولانا سندھیؒ تنظیمی قوت کا امتحان لینے کیلئے ہوا تھا۔ ورنہ حقیقت میں نگاہیں دیکھ سکتی ہیں کہ مفلوک الحال لوگوں پر حج کیسے فرض ہو گیا تھا۔؟ ان دوروں میں زیادہ تر نذرانے ملتے ہیں نہ سامان حرب کے۔ اور ترغیب ہے تو جہاد حریت کی، سوال یہ ہے کہ یہ پروگرام سکھوں کیلئے تھا۔؟ نہیں ہرگز نہیں، ان کا مقصد کچھ اور تھا۔ اور وہ مقصد مشہور انگریز مورخ ہنٹر خود متعین کرتا ہے۔

جب سید احمد صاحبؒ حج سے واپس آئے (ذہن میں رکھیں کہ بقول مولانا سندھی سفر حج تنظیمی قوت کا امتحان تھا۔) تو آپ کے ارادے کیا تھے۔۔۔ ہنٹر جواب دیتا ہے: پہلے جو چیز

خواب وخیال میں تھی، اب ان کو حقیقی روشنی میں نظر آنے لگی جس میں انہوں نے اپنے آپ کو ہندوستان کے ہر ضلع میں اسلامی جھنڈا گاڑتے اور صلیب کو انگریزوں کی لاشوں کے نیچے دفن کرتے ہوئے دیکھا۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان ص۸۹) اور ان کی نگاہ ہر وقت سرحد کی دور دراز جنگ جو آبادی پر لگی رہتی تھی (ص۹۰) اور بقول منشی محمد جعفر تھانیسری مراقبہ اور مشاہدہ کی جگہ ہجرت و جہاد کا بیان اور تلوار بندوق کی صفائی کی تعلیم ہوتی تھی اور تحفے اکثر ہتھیار آتے۔ (سوانح احمدی ص۸۹)

پھر سید صاحب کے اپنے جملے ملاحظہ فرمائیں، بیگانگان بعید الوطن اور تاجران متاع فروش کو نکال کر مناصب ریاست وسیاست ان اہل وطن کے سپرد کئے جائیں جو اس کے مستحق ہیں۔ (خط سید صاحب بنام راجہ دراؤ وزیر اور غلام حیدر خان منصب دار ریاست گوالیار)

ڈاکٹر ہنٹر کی مندرجہ بالا شہادت، منشی محمد جعفر کا قول اور سید صاحب کا مکتوب گرامی (نیز مولانا شہید کی منصب امامت والی عبارت جو پہلے گذری) ملاحظہ کرنے کے بعد اگر کوئی اس حقیقت کو نہ سمجھے کہ اصل مقابل کون تھے تو اسکا علاج نہیں۔ پھر انگریز کے مدمقابل ہونے پر ایک اور شہادت ملاحظہ فرمائیں:۔

سکھوں کی حکومت پنجاب میں تھی، بنگال میں قریب ۸۰ سال سے انگریز حکمران تھا، جونہی ۱۸۳۰ء میں سید صاحب نے پشاور پر قبضہ کر لیا تو آپ کے خادم خاص ٹیٹو میاں نے سفید فام درندوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا (ہمارے ہندوستانی مسلمان ص۹۶) ایسا کیوں ہوا ؟ اس کے ساتھ ہی ایک انگریز کیپٹن کی تاریخ دیکھیں۔ "سید احمد کے عمل سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کافروں سے ان کی مراد صرف سکھ تھے۔ لیکن ان کے صحیح مقاصد پورے طور پر نہیں سمجھے گئے وہ انگریزوں پر حملہ کرنے میں محتاط ضرور رہتے لیکن ایک وسیع اور آباد ملک پر ایک دور دراز ملک کی قوم کا اقتدار ان کی مخالفت کیلئے کافی سبب تھا" (تاریخ سکھ از کیپٹن کنگھم بحوالہ سیرت سید احمد ص۴۲۵) ایک مزید شہادت ملاحظہ فرمائیں، سید صاحب کے زمانہ جہاد میں ایک انگریز سیاح میسن نامی اس علاقہ میں آیا اس نے سید صاحب کا نصب العین یہ بتلایا "سکھوں کا استیصال اور پنجاب پر قبضہ پھر ہندوستان اور چین پر تسلط۔" (سیرت سید احمد شہید ص۲۵۹)

انگریز مورخین کی یہ عبارتیں ہمارے مدعا کے لئے کافی ہیں کہ اصل مدمقابل کون تھا ؟ اس کے علاوہ واقعاتی دنیا میں کھلی ہوئی شہادت جسکی تردید ناممکن ہے یہ کہ ۱۸۳۱ء میں واقعہ بالاکوٹ پیش آیا اس کے بعد باقی ماندہ مجاہدین ستھیانہ میں مقیم ہو گئے، تا آنکہ ۱۸۴۶ء میں سکھ حکومت ختم

ہوگئی اور ۱۸۴۹ء میں تین سال بعد پنجاب کا الحاق مکمل ہوگیا۔ اب سید صاحبؒ کے معتقدین کو چاہیئے تھا کہ وہ سجدہ شکر بجالاتے کہ سکھوں کا پرچم سرنگوں ہوا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے سرحد پار محاذ بنا کر انگریزوں کے ناک میں دم کئے رکھا، اور یہ سلسلہ انگریزی اقتدار کی بساط لپیٹ جانے تک جاری رہا۔ سوال یہ ہے کہ مقابل سکھ تھے تو ایسا کیوں ہوا ___ ؟ اور آخر میں امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا ایک معنی خیز جملہ پڑھیں پھر سارے نقاب الٹ جائیں گے۔ آپ فرماتے ہیں۔ " ایسٹ انڈیا کمپنی گذشتہ ڈیڑھ سو برس سے سیاسی اقتدار حاصل کر رہی تھی، مگر اس نے ایک تجارتی لباس میں مستور رہنا ضروری سمجھ رکھا تھا، واقعہ بالاکوٹ کے دو سال بعد ۱۸۳۳ء میں یک لخت تجارت کا لبادہ اتار کر وہی حکومت کی مالک بن جاتی ہے۔ اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ۔ (سیاسی تحریک ص۱۷۳)

چنانچہ اس کے بعد ہی بہادر شاہ کا موقوف ہو کر ایسٹ انڈیا کمپنی کا سکہ رائج ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اتنی ٹھوس شہادتوں کے بعد بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ مدمقابل سکھ تھے ___ ؟ یہ کہنا ستم ظریفی کی انتہا ہوگی اور تعصب کی کھلی مثال۔ اگر شاہ ولی اللہؒ کے نصب العین (فک کل نظام) پھر شاہ عبد العزیزؒ کے فتویٰ (ہند دار الحرب) اور سید صاحب کا اس مشن کی طرف سے ایک کمانڈر کی حیثیت میں مہم پر جانا، ان کڑیوں کو ملایا جائے اور اس کے بعد انگریزوں کی اپنی شہادتیں دیکھی جائیں تو حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مقصود انگریز کا استیصال تھا، اور ملک کو پھر سے دار الاسلام بنانا! لیکن یہ الگ بات ہے کہ تقدیر نے اس کا موقعہ مہیا نہ کیا اور اس کے بھی کچھ اسباب تھے جن میں سب سے بڑا سبب نام نہاد مسلم فرمانرواؤں اور سرداروں کی بدعہدی و غداری بھی جس کی سزا ان لوگوں کو منعم حقیقی کے دربار سے یقیناً مل کر رہے گی۔ اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ۔

___ باقی آئندہ

مشہور برطانوی فلسفی لارڈ برٹرنڈ رسل نے تسخیر چاند کی مہم پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے:

" یہ مہم انسانی قوت کی عظمت کے اظہار سے زیادہ دو بڑی طاقتوں کے درمیان ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش ہے ...... ان دونوں بڑی طاقتوں کے درمیان اہم بات یہ نہیں ہے کہ چاند کی تسخیر کی جائے بلکہ اہم بات یہ ہے کہ ہم دوسرے کے مقابلے میں پہلے چاند پر پہنچ جائیں "

لارڈ رسل نے ایک اور معنی خیز مشورہ بھی دونوں بڑی قوموں (امریکہ اور روس) کو دیا ہے کہ:

" تم زمین پر ہی ایک دوسرے کو نہایت سستے داموں ہلاک کر سکتے ہو، کیوں خلائی سفر جیسے بہت مہنگے طریقے پر ایک دوسرے کو تباہ کرنا چاہتے ہو ۔ ! "

ادبیات

قصیدہ ترحیب

بخدمت مولانا حافظ عبداللہ صاحب درخواستی مدظلہ

از مولانا غلام نبی فاروقی ٹل

یہ قصیدہ ۱۲ ربیع الاول کو ٹل میں حضرت مولانا درخواستی کی خدمت میں پیش کیا گیا

★

سلام علی مولیٰ جسیم الفضائل — کریم المعنی حاوی فنون الفواضل

سلام ہو اس بزرگ پر جو بڑی فضیلتوں والا اور لوگوں میں بزرگ کمالات کے فنون کا جامع ہے۔

محافظ اقوال الرسول امامنا — واسوۃ اسلافنا وفخر الاماثل

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا حافظ ہمارا مقتدی اور سلف کا نمونہ اور فخر بزرگوں کا۔

حماہ الٰہ العالمین عن الاذی — وعن کل ضیر فی الخلیقۃ نازل

اللہ اس کو محفوظ رکھے تکلیف سے اور ہر ضرر سے جو لوگوں پر نازل ہوتا ہے۔

اقول لہ اھلا وسھلا ومرحباً — بدار علوم التل فخر الافاضل

میں آپ کو مرحبا اور خوش آمدید کہتا ہوں، دار العلوم ٹل میں اے باکمال بزرگ اور لوگوں کے فخر۔

فیا سیدی ھذی اوان مفاسد — وایام الحاد اتت بالنوازل

اے ہمارے آقا یہ فساد کے اوقات ہیں اور الحاد کے دن ہیں جو وقایع کیساتھ آ گئے ہیں۔

وشغلہم تحریف تنزیل ربنا — بما التشفی اھواءھم من غوائل

پس بعض لوگوں کا مشغلہ تحریف قرآن ہے، ایسے طریقوں سے جو ان کی خواہشات ہلاکت آفرین چاہتی ہیں۔

وانکارہم ختم النبوۃ جبراءۃ وزندقۃ من رأی شخص مماحل

بعض لوگوں کا انکار ختم بمعنی بڑی دلیری ہے اور زندیقیت ہے ایک فریبی شخص کی رائے ہے۔

وانکار آثار الرسول بلیۃ احاطت بقلب کل لاہ مغافل

بعض لوگوں کا انکار حدیث رسول بلیۃ ہے جو ہر مشغول اور بے خبر کے دل پر احاطہ کیا ہوا ہے۔

وتوھین اصحاب النبی کبیرۃ وزندقۃ تبدی نفاقا بقائل

اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے بے ادبی کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ بلکہ زندقہ یا نفاقِ قائل ظاہر کرتا ہے۔

وتحقیر اصحاب المذاھب فتنۃ وجراءۃ تخریب وتزویر باطل

اور اصحاب مذاہب کا تحقیر کرنا بڑا فتنہ ہے اور تخریب دین کی جرأت اور باطل کی تزویر ہے۔

فتلک بلایا وقد اضاعت مقاصدا عقاید اسلاف ودین الاوائل

یہی آفتیں ہیں جنہوں نے مقاصد دین کو ضائع کیا سلف کے عقاید اور اول لوگوں کے دین کو بھی۔

وانتم نجوم الرشد فی کل ظلمۃ بکم یقتدی کل الضحی والاصائل

اے حضرت آپ مع علماء مثل ستاروں کے ہیں ہر ظلمت میں صبح و شام آپ کی اقتدا کی جاتی ہے۔

غلام النبی حاضر فی جنابکم ویرجوا دعاء اجلا غیر آجل

غلام نبی آپ کی خدمت میں حاضر ہے فوری دعا کا متمنی ہے بلا تاخیر۔

تردیدِ الحاد

خواجہ محمد علیم - احسن منزل ڈھاکہ ۱ مشرقی پاکستان

قرآن کی جو ہے تفسیر اعمال نبوت ہے
احکام شریعت تو افعال رسالتؐ ہے

قرآن کو وضاحت سے حضرتؐ نے بتایا ہے
کیوں اس سے بھٹکتے ہو جو صاف حقیقت ہے

اسلام کا ہر فرمان قائم ہے قیامت تک
تم چاہو بدل ڈالیں یہ اور قیامت ہے

مسلم ہو تو سوچو تم مرنے سے نہیں چارہ
جو ڈھیل ملی تم کو اللہ کی عادت ہے

جبریل سے بھی منکر جنات سے بھی منکر
کس درجہ حماقت ہے کس درجہ جہالت ہے

کچھ بول نہیں سکتے قرآن کی زبان میں تم
قرآن کے سمجھنے کا غرّہ تو ضلالت ہے

یہ مال یہ شہرت تو کچھ کام نہیں دے گی
جو کام تمہیں دے گا وہ سرکارؐ کی طاعت ہے

سمجھا دو علیم ان کو شاید وہ سمجھ جائیں
مسلم کا فریضہ تو تبلیغِ شریعت ہے

★